326

سیریز

بڑی رکاوٹ

منی خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید

اشتیاق احمد

محمود ٥ فاروق ٥ فرزانہ

اور ۔ انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۸۵

بڑی رکاوٹ

اشتیاق احمد

نام ناول ——— بڑی رکاوٹ

طابع ——— اشتیاق احمد

خوشنویس ——— سعید نامدار

سرورق ——— طاہر ایس ملک

قانونی مشیر ——— شمیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ——— عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ——— [illegible] روپے

سالانہ قیمت ایک ناول — ۲۵۰ روپے

سالانہ قیمت دو ناول — ۴۵۰ روپے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کسی کی دُعا قبول ہوتی ہے، جب تک وُہ جلدی نہ کرے۔ لوگوں نے عرض کیا، جلدی کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، یُوں کہے، مَیں نے اللہ سے دُعا کی، لیکن اللہ نے قبول نہ کی۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم،

صفحہ نمبر ۲۱۵، حدیث نمبر ۷۴۳

ف: ایسا کہنا بے ادبی ہے مالک کی جناب میں اور مالک کا اختیار ہے، جب وُہ مناسب سمجھتا ہے، اس وقت دُعا قبول کرتا ہے، کبھی جلدی کبھی دیر میں اور کبھی دُنیا میں قبول نہیں کرتا، جب بندے کا فائدہ دُعا نہ قبول ہونے میں ہوتا ہے تو آخرت کے لیے اُس دُعا کو اُٹھا رکھتا ہے۔ غرض مالک کی حکمتیں اور اُس

کے بھید وہی خوب جانتا ہے اور کسی حال میں بندے کو اپنے مالک سے مایوس نہ ہونا چاہیے، کیونکہ سوائے اس کے دَر کے اور کون سا دروازہ ہے اور وہ زیادہ رحیم ہے اپنے بندوں پر ماں باپ سے۔ پس بہتر یہی ہے کہ بندہ سب کام اسی کی رضا اور تقدیر پر چھوڑ دے اور ظاہر میں بموجب احکامِ شرعی کے دُعا کرتا رہے، لیکن اگر دُعا قبول نہ ہو تو بھی دل خوش رہے اور یہ سمجھے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہو گی اور ہمارا کچھ فائدہ ہو گا۔ دُوسری روایت میں یُوں ہے، بشرطیکہ گناہ یا ناطہ توڑنے کی دُعا نہ کرے، یعنی ایسی دُعا قبول نہیں ہو گی)

○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، بے شک اللہ جل جلالہٗ کے ایک کم سو نام ہیں، جو کوئی ان کو یاد کر لے، وہ جنت میں جائے گا۔

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۱۸، حدیث نمبر ۱۵۱،

○

السلامُ علیکم!

ہمارے مُلک میں نہ جانے کیا کیا کچھ ہو جاتا ہے اور ہمیں بعض اوقات پتا بھی نہیں چلتا۔ پتا چلتا ہے تو پھر ہم صرف جھلّا کر، بھنّا کر، تلملا کر اور دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ یا دُوسرے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خُون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔

آج پھر ایسا ہی ایک خط موصول ہوا ہے — آپ اس خط کو ہی پڑھ لیں اور میری طرح جھلّاہٹ کے انگارے چبا لیں۔ خُون کے گھونٹ بھر لیں:

"پیارے انکل اشتیاق

السلامُ علیکم! اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ آج تیئس تاریخ ہے اور ناول ابھی تک نہیں

پہنچے ہیں۔ بہرحال خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ
نویں جماعت کی اُردو کی کتاب میں ایک نظم
ہے "امام حسینؓ کی شہادت" جو کہ میر انیس نے
لکھی ہے، اس کے صفحہ نمبر ۳۰۴ پر آخری بند
یہ ہے:

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا
اُمّت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمداً
اس وقت کون حقِ محبت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

انکل! اسلام نے تو کسی کا بھی نام بگاڑنے
سے منع کیا ہے، جب کہ دوسرے مصرعے میں
نعوذ باللہ) شاعر نے وا محمدًا کہا ہے۔ یہ تو بہت
بے ادبی کی بات ہے۔ یہ کتاب پنجاب ٹیکسٹ بک
بورڈ نے شائع کی ہے۔ اس سے پہلے بھی مُرقعِ اردو
میں تین چار سال پہلے "دھوبی" نامی سبق بھی
شائع ہو چکا ہے، جس میں (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو یثرب نگر کا چودھری کہا گیا ہے۔
نہ جانے آج کل کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔
آج ہمیں متحد ہونے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم کفّار
کا اور اُن کی سازشوں کا مقابلہ کر سکیں۔

والسلام
آپ کا قاری
فیصل شہزاد
۱۶۸-۷۹ احاطہ بوٹا مل، میسی گیٹ، صدر، راولپنڈی۔"

روزنامہ "خبریں" میں بھی کچھ ایسی خبر ابھی ابھی
پڑھنے کو ملی ہے۔ کسی دانشور نے دین کے اہم رُکن
حج کا مذاق اُڑایا ہے۔ باقاعدہ ایک کتاب لکھ کر۔
اور وُہ کتاب مُلک کے بُک سٹالوں پر موجود بھی
ہے۔ اس مصنّف سے کسی نے نہیں پوچھا۔ کہ
جناب۔ آپ نے پاکستان میں رہ کر۔ ایک اسلامی
ملک میں رہ کر یہ کیا لکھا ہے۔ آپ کو کچھ تو سوچنا
چاہیے۔ لیکن یہ سب کچھ تو باقاعدہ پلاننگ کے تحت
ہوتا ہے۔ منصُوبہ سازی کی جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً
اس قسم کے تیر چلا کر۔ اس قسم کے نشتر چبھو کر۔ یہ
اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس قوم کو جس کو ہم نے
بُھس کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس میں کہیں
کوئی چنگاری تو باقی نہیں رہ گئی۔ اور جب
مُلک میں شور مچتا ہے۔ تو یہ لوگ اندازہ لگا لیتے

www.UrduFanz.com

ہیں کہ ابھی کچھ چنگاریاں باقی ہیں ۔ لہٰذا کچھ عرصے کے لیے چُپ سادھ لیتے ہیں ۔ سال چھے ماہ بعد پھر ایسی کوئی واردات کرتے ہیں ۔

یاد رکھیے ۔ جس دن انھیں کوئی چنگاری نظر نہ آئے گی ۔ اس دن وہ ہمیں ہڑپ کر جائیں گے ۔ اور ڈکار بھی نہیں لیں گے ۔ لہٰذا ہوشیار ہو جائیے ۔ اور اس دن سے پہلے پہلے اس قسم کے لوگوں سے اپنے مُلک کو پاک کر لیجیے ۔ ورنہ ہماری داستاں بھی نہ ہو گی داستانوں میں ۔

"مقتول کون" کی دو باتوں نے میرے اکثر قارئین کو الجھن میں ڈال دیا ۔ معذرت چاہتا ہوں ۔ بے شمار قارئین وضاحت چاہتے ہیں ۔ انسان کی زندگی میں اَن گنت دکھ آتے ہیں ، ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اَن مٹ یادیں چھوڑ جاتے ہیں ۔ وہ لڑکی بھی ان میں سے ایک تھی ۔ افسوس ! وہ انتقال کر گئی ۔

حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم

نے منع فرمایا :

- قبروں کو پختہ کرنے سے ۔
- قبروں پر کتبے لگانے سے ۔
- قبروں پر عمارتیں بنانے سے ۔
- قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے ۔
- قبروں پر عُرس کرنے سے ۔
- قبروں پر چراغاں کرنے سے ۔
- قبروں پر عورتوں کے جانے سے ۔
- قبروں کو بلند کرنے سے ۔
- قبروں پر میلہ لگانے سے ۔
- قبروں کو پوجنے سے ۔

بحوالہ :

بخاری ، مسلم ، ترمذی ، ابنِ ماجہ ، ابو داؤد ، نسائی ، موطا امام مالک ، مشکوٰۃ

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

گرنے والا

اُسے کئی آدمیوں نے گرتے دیکھا — گرا بھی بیچ سڑک تھا، ٹریفک رُک گئی — لوگ گاڑیوں میں بیٹھے ناگوار انداز میں کہنے لگے:

"کیا ہوا — کیا مصیبت ہے۔"

"ہو گا کیا — کوئی ہیروئن کا عادی ہو گا۔"

"یا پھر مرگی کا مریض ہو گا — ورنہ یوں بیچ سڑک تو نہ گرتا۔"

"اسے بھی ابھی گرنا تھا — میری تو نکل جاتے گی گاڑی۔"

"ارے تو کوئی اس کانسٹیبل سے ہی کہے — وہ اسے ہٹا کر سڑک کے کنارے تو کر دے — لوگ تو شاید اسے ہاتھ لگانے کی جرأت کریں گے نہیں۔"

"جرأت کریں بھی کیسے — پولیس والے اسی کو ساتھ لے جائیں گے — مگر یہ ہے وہ جس نے اچھے بھلے آدمی کو سڑک کے

کنارے سرکا دیا تھا۔"

" ہائیں۔ تو کیا آپ کے مُلک میں یہ بھی جُرم ہے؟ یہ شاید کوئی غیر مُلکی تھا۔

" جُرم۔ یہاں تو پتا نہیں کیا کچھ جُرم ہے۔ ایک شخص اگر زخمی ہو جاتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو مدد کے لیے پُکارتا ہے تو کوئی مارے خوف کے اس کے نزدیک نہیں جاتا، اسے ہسپتال پہنچانے کی جرأت نہیں کرتا۔ جانتے ہیں کیوں۔ اس لیے کہ پولیس اسے فارغ نہیں کرتی، اس کو عدالت میں گواہی تک کے لیے پابند کرتی ہے۔ اور وُہ بے چارہ ایک لمبی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔"

" یہ تو بہت غلط ہے۔ ہونا تو صرف یہ چاہیے۔ کہ کسی زخمی انسان کی مدد کرنے والے کا نام اور پتا لکھ لینا چاہیے۔ بلکہ اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ اس قسم کا اعلان کرے کہ مدد کرنے والوں کو پولیس آیندہ نہیں روکے گی۔ صرف ان کا نام پتا احتیاط کے طور پر لکھ لیا جائے گا اور بس، ایسے افراد کا حکومت شکریہ بھی ادا کرے گی۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ سال چھے ماہ میں کوئی سرکاری تقریب بھی منعقد کی جایا کرے۔ جس میں ایسے تمام افراد کو تعریفی

اسناد دی جایا کریں جو زخمیوں یا سڑکوں پر گر جانے والوں کو ہسپتال پہنچاتے ہیں۔"

" اوہو۔ یہ کیا۔ یہ تو بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ کیوں نہ ہم بھی آگے چل کر دیکھیں۔ آخر معاملہ کیا ہے۔"

گرنے والے کے گرد اچھی بھلی بھیڑ لگ چکی تھی۔ چند لمحے تک وُہ تڑپتا رہا، پھر اچانک ساکت ہو گیا۔ اس کا رنگ بالکل نیلا ہو گیا تھا اور لوگ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے:

" اس نے ضرور زہر کھایا ہے۔ یہ آثار زہر کے ہیں۔" ایک صاحب بول اُٹھے۔

" آپ ڈاکٹر ہیں کیا؟"

" نہیں۔ میں ابھی طالب علم ہوں میڈیکل کا۔"

" ارے ارے۔ یہ۔ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" کسی نے چلّا کر کہا۔

" کیا ہوا جناب؟"

" م۔ میرا سر۔ میرا سر۔ میرا سر۔"

وُہ کہتے کہتے چکرا کر گرا۔ اور تڑپنے لگا۔

" حیرت ہے۔ اب ان صاحب کو کیا ہو گیا؟"

" اے۔ کیا بھیڑ لگا رکھی ہے۔ پیچھے ہٹو سب۔" ایک

پولیس والے کی آواز سنائی دی ، لوگوں نے مُڑ کر دیکھا ، وہ ٹریفک سارجنٹ تھا:

"انھیں کیا ہوا؟" اس نے پُوچھا — لوگ اسے راستا دینے کے لیے ہٹے تو اس کی نظر ان دونوں پر پڑی تھی —

"پہلے یہ گرا صاحب — پھر یہ دُوسرا — گرنے سے پہلے میرا سر میرا سر چلّا رہا تھا:"

"کیا پہلا بھی یہی چلّا رہا تھا؟" سارجنٹ نے پوچھا۔

"پہلے کو تو صرف گرتے دیکھا گیا" کسی نے کہا۔

"اچھا آپ لوگ پیچھے ہٹ جائیں" سارجنٹ نے کہا اور پہلی لاش کے بالکل نزدیک چلا گیا — اس نے جھک کر اس کا جائزہ لیا۔

"شاید اسے زہر دیا گیا ہے — بے چارہ" سارجنٹ نے کہا۔

"لیکن سر — ان صاحب کو کیا ہوا — یہ تو اسے گرتے دیکھ کر رک گئے تھے — میں نے صاف دیکھا ہے، یہ اس کے ساتھی نہیں ہیں — اسے گرتے دیکھ کر دوسری طرف سے دوڑ کر ادھر آئے تھے" اس نے کہا۔

"آپ کا نام؟" سارجنٹ نے فوراً کہا۔

"کک — کیوں — کیوں؟"

"آپ کو گواہی دینا پڑے گی۔"

"لیکن — کس بات کی؟"

"اسی بات کی — جو آپ نے ابھی کہی ہے۔"

"لیجیے — اب اس بات کی بھی گواہی دینا پڑے گی، یہ کوئی تُک ہے۔"

"آپ نام لکھوائیے اپنا — اور پتا بھی — شناختی کارڈ بھی دکھائیے۔"

آ گئی اس بے چارے کی تو مصیبت — اسے کہتے ہیں، آ بیل مجھے مار —" کسی نے کہا۔

"یہ کون بولا؟" سارجنٹ غرّایا۔

سب اِدھر اُدھر دیکھنے لگے — جیسے کسی کو کچھ معلوم نہ ہو کہ کون بولا تھا — سارجنٹ نے بُرا سا منہ بنایا — جیب سے نوٹ بک اور پنسل نکالنے لگا — اچانک اس نے کہا:

"ارے — یہ مجھے کیا ہو رہا ہے — میرا سر — میرا سر — میرا سر"

"کیا ہوا صاحب — کیا ہوا" لوگ گھبرا کر چلّائے۔

اسی وقت انھوں نے سارجنٹ کو گرتے دیکھا — اب تو ان کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا — مارے ڈر کے لوگ

اس جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے — پیچھے ہٹنے والوں میں سے ایک
نے گھبرا کر کہا:

"ارے — میرا سر — مم — میرا سر۔"

اور پھر وُہ تڑ سے گرا اور ساکت ہو گیا —

"بھاگو — پتا نہیں، کیا مصیبت ہے۔" کسی نے کہا۔

لوگ اس جگہ سے دور بھاگنے لگے — لیکن بھاگتے
بھاگتے بھی کئی گرے — اب تو بھگدڑ مچ گئی — خوف زدہ
لوگ اس جگہ سے دُور ہونے کی کوشش میں تیز
سے تیز دوڑنے لگے — لوگ اپنی گاڑیوں کو بھول گئے،
شہر میں گاڑیوں کی میلوں لمبی لائن لگ گئی —

آخر پولیس کی بھاری جمعیت وہاں پہنچ گئی، لیکن بھاری
جمعیت کیا کرتی — سب نزدیک جانے سے ڈر رہے تھے،
کوئی آگے نہ بڑھا — بس لاشوں کے گرد حلقہ بنا دیا
گیا — جب کہ حلقہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی —
لوگ تو پہلے ہی بہت دور جا چکے تھے — اور بہت
دور جانے کے بعد خوف زدہ انداز میں اس طرف دیکھ
رہے تھے —

آخر ان حالات کی اطلاع آئی جی صاحب کو دی
گئی — وَہ اپنی جیپ میں وہاں پہنچے — تمام حالات سُنے

تو ان کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے — آخر سوچ سوچ کر انھوں
نے انسپکٹر جمشید کو فون کیا — وُہ گھر میں مل گئے —

فون سُنتے ہی وُہ وہاں پہنچنے کے لیے گھر سے نکل
کھڑے ہوئے — محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت گھر
میں نہیں تھے — ورنہ اس وقت وہ بھی ضرور ساتھ
نکلتے — موقعے پر پہنچے تو آئی جی صاحب کا چہرہ دُودھ
کی طرح سفید نظر آیا —

"خیر تو ہے سر؟" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"اپنی نوعیت کا عجیب ترین واقعہ — اس وقت تک سترہ
آدمی گر چکے ہیں — یہ نہیں معلوم کہ وہ سب کے سب مر
چکے ہیں — یا صرف بے ہوش ہیں — یا کچھ مر چکے ہیں اور
کچھ بے ہوش ہیں۔"

"تفصیلات کیا ہیں سر؟"

"میں بتاتا ہوں — اور پھر تم مشورہ دو گے کہ ہمیں اب
کیا کرنا چاہیے، کیونکہ ہم ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر
پائے، اِسی لیے تمھیں بلانا پڑا — ارے — محمود، فارُوق اور
فرزانہ نظر نہیں آ رہے؟"

"وُہ کسی دوست کے گھر گئے ہیں۔"

"اوہ اچھا — خیر سُنو — ایک صاحب سڑک کے درمیان

میں چلے جا رہے تھے۔"

" درمیان میں — اس کا مطلب ہے — ان کا دماغی توازن درست نہیں تھا — ورنہ وہ پیدل سڑک کے درمیان میں کیوں چلتے۔"

" یہ ضروری نہیں جمشید — یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ سڑک پار کر رہے ہوں۔"

" اوہ ہاں سر — خیر — آگے چلیے۔"

" وہ تڑ سے گرے اور تڑپنے لگے — ٹریفک رک گئی، لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے، پھر مجمعے میں سے ایک صاحب میرا سر میرا سر میرا سر چلاتے ہوئے گرے — انھوں نے غالباً یہ بھی کہا تھا کہ ارے یہ مجھے کیا ہو رہا ہے، لیکن وہ کچھ بتانے سے پہلے ہی گر گئے — اور تڑپنے کے بعد ساکت ہو گئے — ایک سارجنٹ ٹریفک جاری کرنے کے لیے آگے بڑھا — ان دونوں گرنے والوں کے پاس پہنچا — لوگوں کو پیچھے ہٹانے لگا — اچانک وہ وہ بھی میرا سر میرا سر کہتا ہوا گرا اور ساکت ہو گیا۔"

" اُف میرے مالک — یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔"

" ابھی اور سُنو — لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن کچھ لوگ بھاگتے ہوئے بھی گرے۔" انھوں نے کہا۔

" ارے!" انسپکٹر جمشید کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

" اب پولیس آ چکی ہے — میں بھی یہاں موجود ہوں — لیکن کوئی آگے جانے کی جرأت نہیں کر رہا — اب ہم کریں تو کیا؟"

" ایک منٹ سر — یہ کیس تو پروفیسر داؤد صاحب کا لگتا ہے۔"

" اوہ ہاں! تم نے ٹھیک کہا جمشید — حیرت ہے — یہ بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔" آئی جی صاحب بولے۔

انسپکٹر جمشید مسکرا کر رہ گئے اور جیب سے فون سیٹ نکال کر نمبر ملانے لگے — جلد ہی پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی:

" آہا جمشید — یہ تم ہو؟"

" باتوں کا وقت نہیں پروفیسر صاحب — آپ بس فوراً سوار چوک آ جائیں۔"

" خیر تو ہے؟" وہ گھبرا گئے۔

" جی نہیں — خیر بھی نہیں ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور گرے ہوئے لوگوں کو گننے لگے، پھر بولے:

" یہ کم از کم بیس تو ہوں گے۔"

" ہاں! لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ سب مر گئے ہیں یا

صرف بے ہوش ہیں۔"

"پھر بھی یہ معاملہ بہت سنسنی خیز ہے — اور پورے شہر کو ہلا کر رکھ دے گا۔"

"اللہ رحم فرمائے۔"

پروفیسر داؤد صرف پندرہ منٹ بعد ان تک پہنچ گئے۔ ساری بات سُن کر انھوں نے گرنے والوں کی طرف دیکھا، اس وقت تک دُوربین کا انتظام کر لیا گیا تھا اور اس کی مدد سے گرنے والوں کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا:

"ان کے جسم نیلے ہو چکے ہیں — کچھ کم کچھ زیادہ — یہ تو زہر کا کیس لگتا ہے۔"

"لیکن پروفیسر صاحب — زہر کا کیس کس طرح — ایک گرنے والے کے گرد لوگ جمع ہو گئے اور پھر جمع ہونے والے بھی گرنے لگے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"میں پھر بھی یہی کہوں گا — یہ زہر کا کیس ہے۔"

"خیر — یونہی سہی — اب ہم کیا کریں؟ سوال تو یہ ہے؟"

"گیس ماسک پہن کر، لاشوں کو ہاتھ لگائے بغیر اٹھوایا جائے اور شہر سے باہر لے جایا جائے — ماہر ڈاکٹر وہیں ان کا معائنہ کریں۔"

"یہ تو اور بھی مشکل بات ہو گی — ہسپتال میں تو یہ کام

آسانی سے ہو سکتا ہے — اب ڈاکٹر صاحبان شہر سے باہر کس طرح جائیں گے؟"

"یہ ان کی ذمّے داری ہے۔"

آخر ان کی تجویز پر عمل کیا گیا — پولیس کے ملازم گیس ماسک پہن کر اور بڑے بڑے لوہے کے چمٹے ہاتھوں میں لے کر گرنے والوں کی طرف بڑھنے لگے — دیکھنے والوں کے دل دھک کرنے لگے —

گھوڑا

"یہ — یہ مَیں کیا دیکھ رہی ہوں"؟ فرزانہ کی خوف میں ڈوبی آواز ڈرائنگ روم میں اُبھری۔

"کچھ بھی دیکھتی رہو، لیکن ہمیں تو نہ ڈراؤ۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"اوہو، تم بات تو سُن لو پہلے — میں کہنا کیا چاہتی ہوں"۔ فرزانہ نے بھنّا کر کہا۔

"دُوسروں کے ڈرائنگ روم میں اس قدر بھنّانا نہیں چاہیے۔" فارُوق نے فوراً کہا۔

"دیکھا محمود — یہ حضرت، اور کسی کی بات سُن لیں۔"

"ہوں واقعی — یہ تو نہیں ہو سکتا۔" محمود نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"کیا نہیں ہو سکتا — یہ کہ میں کسی کی بات سن لوں۔ اگر یہ بات ہے تو یہ لو — میں اب منہ نہیں کھولوں گا۔"

"منہ نہ کھولنے سے کیا ہوتا ہے — منہ کھولے بغیر بھی تم تو باتیں کرتے رہتے ہو۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"ابھی تو نہیں چلا — جب چل جائے گا، بتا دوں گا۔"

"فرزانہ جو کہنا چاہتی ہے — میں تو وہ سمجھ چکا ہوں، لیکن تم صرف باتوں میں مصروف ہو، لہٰذا فرزانہ اب تمھیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"اور میں نے وہ بات عین اس وقت نوٹ کر لی تھی، جب مَیں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا — جب کہ فرزانہ نے صوفے پر بیٹھ جانے کے بعد اور تم نے اس کے توجہ دلانے کے بعد اس چیز کو دیکھا ہے۔"

"کیا!!" ان دونوں کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا —

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہے کہ میں پیچھے رہ گیا۔"

"نہیں خیر یہ بات بھی نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب — کیا بات نہیں ہے؟"

"بھئی یہ بات پیچھے رہنے کی نہیں ہے — اتفاق کی ہے — فارُوق کی نظر سب سے پہلے اس تصویر پر پڑ گئی — میری نظر اس کے بعد میں اور تمھاری اس کے

الد، لیکن بات کو سمجھنے میں تو ہمیں دیر نہیں لگی نا۔"
اسی وقت قدموں کی آواز اُبھری اور ایک فرزانہ کی
ہم عمر لڑکی اندر داخل ہوئی۔
"بھئی واہ — بہت خوشی ہوئی آپ تینوں کو یہاں دیکھ
کر — آخر فرزانہ آج آپ نے میری خواہش پوری کر ہی دی۔"
"ہاں مونا — ہمیں بھی بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔"
"لیکن بھئی — آپ نے کم از کم آنے سے پہلے فون تو
کر دیا ہوتا۔"
"آپ کا فون خراب ہے — میں کوشش کرتی رہی ہوں۔"
"نہیں تو — شاید فون انگیج ہو گا — میری ایک سہیلی کا
فون تھا — کافی دیر بات ہوتی رہی۔"
"یہ آپ کے والد صاحب کی تصویر ہے نا۔" فرزانہ
نے سرسری انداز میں کہا۔
"ہاں! لیکن یہ ان کی بہت پرانی تصویر ہے۔"
"آپ کے والد کا نام تنویر شابر ہے نا۔"
"ہاں! لیکن عام طور پر انھیں تنویر شابر کے نام سے
کوئی نہیں جانتا — انھیں سیٹھ گڈو کہتے ہیں۔"
"بہت خوب! آپ کے والد کیا کام کرتے ہیں؟"
"آپ لوگ آتے ہی میرے والد کے بارے میں کیوں

سوالات پوچھنے لگے — آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ان کا نام
تنویر شابر ہے؟"
"یہ ایک بہت ہی عجیب سی بات ہے۔" فرزانہ نے کھوئے
کھوئے انداز میں کہا۔
"کون سی بات؟" مونا کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ہم انھیں ایک پارٹی میں دیکھ چکے ہیں — اس پارٹی میں
ایک عجیب واقعہ ہوا تھا۔"
"وُہ کیا؟" مونا بولی۔
عین اس وقت قدموں کی آواز اُبھری اور مونا کے والد
دروازے میں آکھڑے ہوئے۔
"مونا — دروازہ اندر سے بند کر لو — میں ذرا ایک
ضروری کام کے لیے جا رہا ہوں۔"
"جی بہتر ڈیڈی۔"
"ارے! یہ کون لوگ ہیں؟"
"یہ میری کلاس فیلو ہیں ڈیڈی — فرزانہ — اور یہ ان کے
بھائی ہیں۔"
"اوہ اچھا۔" یہ کہہ کر وُہ مڑنے لگے۔
"ڈیڈی! یہ آپ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔"
"میرے بارے میں — کیا مطلب؟" وُہ چونک کر گھومے۔

"آپ جس کام کے سلسلے میں جا رہے ہیں، وُہ کر آئیں — ہم مونا کو بتا ہی دیں گے کہ ہم آپ کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔"

"نہیں — میں ابھی اور اسی وقت سُننا چاہتا ہوں۔"

"جی نہیں — ہم بتانا پسند نہیں کرتے۔" محمود نے کہا۔

"اس طرح میری بچّی میرے بارے میں الجھن میں مبتلا ہو جائے گی۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"ہم نے آپ کو ہوٹل ساہو میں دیکھا تھا۔"

"اوہو اچھا، لیکن آپ لوگ وہاں کیا کر رہے تھے؟"

"ہمیں ایک کام سے جانا پڑا تھا۔"

"اچھی بات ہے — میں تو چلتا ہوں — دیر ہو رہی ہے۔" انھوں نے کہا اور چلے گئے۔

"لیکن اتنی سی بات میں عجیب بات کیا ہو گئی، اگر آپ نے ڈیڈی کو ہوٹل ساہو میں دیکھ لیا۔"

"ہاں واقعی — دراصل ہم نے انھیں وہاں دیکھا تھا نا، لہٰذا ان کی تصویر یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی۔"

"اچھا چھوڑیں — یہ بتائیں — کیا پینا پسند کریں گے؟"

کچھ کھانے پینے کے بعد فرزانہ نے کہا:

"کیا گھر میں صرف آپ اور آپ کے ڈیڈی رہتے ہیں۔"

"دو ملازم بھی ہیں، لیکن وہ آج چھٹی پر ہیں — اسی لیے ڈیڈی دروازہ بند کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔"

"ہوں — ہمیں اپنا گھر نہیں دکھائیں گی آپ — ویسے بہت خوب صورت بنوایا ہے۔"

"ڈیڈی کو خوب صورت مکان کا بہت ہی زیادہ شوق ہے — آئیے — دکھاتی ہوں۔"

وُہ اُٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی — مونا نے فوراً ریسیور اُٹھایا، پھر فرزانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:

"آپ کا فون ہے۔"

"میرا؟" فرزانہ کو بہت حیرت ہوئی — ان کی یہاں آمد کا کسی کو پتا نہیں تھا۔

"ہاں! آپ کا — کوئی خاتون بات کر رہی ہیں۔"

فرزانہ نے ریسیور لے لیا:

"السلامُ علیکم۔" اس نے کہا۔

"وعلیکم السلام — خبردار — مونا کو ہوٹل ساہو اور میرے بارے میں کچھ نہ بتانا — وُہ بہت معصوم ہے — بھولی بھالی ہے — نرم دل ہے — کہیں اس کی موت نہ واقع ہو جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

"شکریہ — میں آپ سے بعد میں مُلاقات کر کے وضاحت کروں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن میں سمجھتا ہوں — اس کی ضرورت ہے۔"

"خیر — آپ کی مرضی۔"

یہ کہہ کر فرزانہ نے ریسیور رکھ دیا — اب انھوں نے مونا کا گھر دیکھنا شروع کیا — کوٹھی کی تعمیر کے سلسلے میں روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا — گویا بے تحاشہ فضول خرچی کی گئی تھی —

عمارات کی تعمیر کے سلسلے میں فضول خرچی انھیں بالکل پسند نہیں تھی — وُہ سیدھے سادے مکان میں رہنا پسند کرتے تھے — اور ایسا کیوں نہ ہوتا — حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں خرچ کرنا بالکل پسند نہیں تھا — یعنی ذرا بھی ضرورت سے زیادہ یا بے کار قسم کی سجاوٹ اور بناوٹ پر پیسے لگانا — وغیرہ۔

انھوں نے ایک ایک کمرہ دیکھا اور آخر سٹور روم کے دروازے پر پہنچے —

"یہ تو سٹور ہے — آپ اس کو دیکھ کر کیا کریں گے۔" مونا نے کہا۔

"لگے ہاتھوں اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔"

"لیکن آخر کیوں — کہیں آپ ہماری کوٹھی جاسوسی نظروں سے تو نہیں دیکھ رہے۔" مونا کے لہجے میں حیرت تھی —

"یہ ہماری کچھ عادت سی بن گئی ہے مونا — آپ کچھ خیال نہ کریں۔"

"نہیں — نہیں — خیال کیا کرنا۔"

مونا نے سٹور بھی کھول دیا — اس کمرے میں گھر کی بے کار اور ضرورت سے زائد چیزیں رکھی گئی تھیں، وُہ ان چیزوں کو بغور دیکھنے لگے — اچانک ان کی نظریں لکڑی کے ایک گھوڑے پر پڑیں —

"واہ کتنا خوب صورت گھوڑا ہے۔" فرزانہ نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"خیر — اب اتنا بھی خوب صورت نہیں۔" مونا نے فوراً کہا —

"کیا یہ گھوڑا آپ کے لیے خریدا گیا تھا مونا؟" فرزانہ نے پوچھا —

"ارے نہیں۔"

"تو پھر — ہے تو یہ بچوں کا کھلونا۔"

"ہاں! اس کھلونے کو دیکھ کر حیرت مجھے بھی ہوئی تھی، کیونکہ یہ مجھے کبھی نہیں دیا گیا اور ڈیڈی کے ہاں میرے علاوہ کوئی اولاد نہیں ہوئی، پھر بھلا یہ گھوڑا کس لیے بنوایا گیا تھا۔"

"واقعی عجیب بات ہے — کیا ہم اس گھوڑے کو دیکھ سکتے ہیں؟"

"ہاں ضرور — کیوں نہیں — بلکہ چاہیں تو میری طرف سے اسے بطور تحفہ لے بھی سکتے ہیں۔"

"اوہ! بہت بہت شکریہ۔" محمود نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

پھر وہ باہر نکل آئے۔ گھوڑا اب محمود کے ہاتھ میں تھا۔

"میرا خیال ہے — ہمیں کافی دیر ہو گئی ہے — اب چلنا چاہیے۔"

"خیر اتنی دیر تو نہیں ہوئی۔"

ہمارے لیے ہو چکی ہے — امی جان پریشان ہوں گی۔" فاروق بولا۔

"اچھی بات ہے۔"

"تو یہ گھوڑا ہم رکھ سکتے ہیں؟"

"بالکل!" اس نے کہا۔

وہ اس سے رخصت ہو کر باہر کی طرف بڑھے۔ اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی:

"اوہو — ڈیڈی تو آج بہت جلد لوٹ آئے۔"

"تو یہ آپ کے ڈیڈی ہیں؟" محمود نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں!" یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھی۔

"یہ گھوڑا ہمارے پاس دیکھ کر وہ کیا خیال کریں گے؟" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں — کیوں کچھ خیال کریں گے — یہ گھوڑا تو خود میں نے آپ کو دیا ہے — آپ نے چرایا تو نہیں۔"

"یہ بات بھی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

مونا نے دروازہ کھول دیا — ان پر نظر پڑتے ہی تنویر شابر نے فوراً کہا:

"اوہو — آپ لوگ ابھی تک یہیں ہیں — اور یہ مونا کو کیا ہوا — مونا — تمہارا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟"

"میرا — نہیں تو۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ — یہ — یہ کیا؟" گھوڑے پر نظر پڑتے ہی تنویر شابر کا رنگ اڑ گیا — زبان ہکلانے لگی۔

"کاٹھ کا گھوڑا ڈیڈی۔"

"یہ انھیں کہاں سے مل گیا؟"

"میں نے انھیں پورے گھر کی سیر کرائی ہے ڈیڈی۔"

"تو سٹور روم بھی دکھانے کی چیز ہے۔"

"ہمارے لیے کوئی بھی چیز..."

اچانک تنویر شابر نے گھوڑا محمود کے ہاتھ سے اچک لیا۔

غلط دوست

گیس ماسک پہن کر جو لوگ آگے بڑھے۔ انھیں کچھ نہ ہوا۔ وہ گرنے والوں کو ایک ٹرک میں لادنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب ان سب کو ہسپتال پہنچایا گیا۔ ڈاکٹروں کے معائنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں سے سولہ آدمی مر چکے ہیں۔ باقی بے ہوش ہیں۔ فوراً یہ خبر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ شہر بھر کے ماہرین کو ہسپتال میں بلایا گیا۔ لاشوں کا معائنہ کیا گیا۔ سب سے پہلے جو آدمی گرا تھا۔ اس کے پورے جسم میں زہر موجود تھا، بلکہ اس کی نس نس میں بھی زہر تھا۔ مساموں تک میں زہر تھا۔ لیکن اس کے گرد جمع ہو کر مرنے والوں یا بے ہوش ہونے والوں کے جسموں میں اس حد تک زہر کا اثر نہیں تھا۔ ان کی صرف سانس کی نالیوں میں زہر پایا گیا، اس زہر

نے ان کی سانس کی نالیوں کو درہم برہم کر دیا تھا
اور اس طرح ان کی موت واقع ہو گئی تھی ۔ باقی
رہ گئے بے ہوش ہونے والے ۔ ان کی بھی سانس کی
نالیوں میں زہر کا اثر تھا ، لیکن کم ۔ انھیں ہوش میں لانے
کی کوششیں جاری تھیں ۔

زہروں کے ماہرین سکتے کے عالم میں تھے ۔ ان
کا کہنا یہ تھا کہ اس قسم کے کسی زہر سے وہ واقف
نہیں ہیں ۔ ظاہر ہے ، زہر تو صرف ایک آدمی نے کھایا
تھا ۔ یا اسے کھلایا گیا تھا ۔ باقی لوگوں نے تو زہر نہیں
کھایا تھا ۔ وہ تو صرف اس کے گرد جمع ہوئے تھے
اور اس کے ساتھ مارے گئے تھے ۔ ہسپتال میں پروفیسر
داؤد بھی تھے ۔ ان کے ساتھ انسپکٹر جمشید اور خان رحمان
بھی تھے ۔ یہ تینوں بھی ان لاشوں کا معائنہ کر چکے تھے
اور اب ایک الگ کونے میں بیٹھے تھے :

"آپ کا کیا خیال ہے ؟ پروفیسر صاحب ۔"

"زہر صرف ایک نے کھایا ۔ باقی لوگ اس کے اثر
کی لپیٹ میں آتے ہیں ۔" انھوں نے کہا ۔

"لیکن کیسے ؟"

"ہوا کے ذریعے ۔ اور کیسے ۔ اس کے مرتے ہی اس

کے آس پاس زہریلے اثرات پھیل گئے ۔ ہوا میں شامل ہو
گئے ۔ اب جو لوگ اس کے نزدیک آئے ۔ انھوں
نے بھی سانس کے ذریعے زہر اپنے جسم میں داخل کر
لیا ۔ جو ذرا دور رہے ۔ انھوں نے کم زہر اپنے
جسموں میں داخل کیا ۔ اس طرح وہ صرف بے ہوش
ہوئے ۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو بے ہوش بھی نہیں
ہوئے ہوں گے ۔ ان تک بہت ہی ہلکا اثر پہنچا ہو گا ۔"

"لیکن ایسا کیوں ہوا پروفیسر صاحب ۔ اس شخص کو اتنا
خطرناک زہر کس نے کھلایا ۔ دوسری بات یہ کہ وہ تو
سڑک پار کر رہا تھا ۔ گویا زہر پہلے ہی کھا چکا تھا ۔
پھر اس کے جسم میں زہر نے اتنی دیر میں کیوں اثر کیا ،
جب کہ دوسرے اس کے نزدیک جاتے ہی ہلاک
ہو گئے ؟"

"یہ واقعہ انتہائی حیرت انگیز ہے ۔ اگر اس کے جسم
سے زہر کی کوئی بو وغیرہ نکلی ہوتی تو لوگ ضرور اس بو
کو محسوس کرتے اور فوراً پیچھے ہٹ جاتے ، پھر دوسرے
لوگ نزدیک نہ جاتے ، لیکن کسی نے بھی بو کا ذکر تک
نہیں کیا ۔ یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے اسے کوئی
چیز کھلائی گئی تھی ۔ اس نے جسم میں داخل ہونے کے

بعد کوئی عمل کیا — اس عمل کی بنا پر وہ مر گیا — اور
اس چیز کا اثر باہر پھیل گیا — دوسرے اس اثر کی
زد میں آ گئے۔"

"میرا خیال ہے، ہمیں گیس ماسک پہن کر اس کے
کپڑوں وغیرہ کی تلاشی تو لینی ہی چاہیے — معلوم تو ہو،
وہ کون تھا — اس سارے ہنگامے کی وجہ سے ابھی تک
اس کی تلاشی لینے کا کسی کو بھی خیال نہیں آیا۔" انسپکٹر
جمشید نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"ہاں واقعی — جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا،
وہ تھا کون، اس وقت تک ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔"
خان رحمان نے کہا۔

"اور محمود، فاروق اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے۔" پروفیسر
داؤد بولے۔

"وہ گھر میں نہیں تھے۔"

"لیکن اب تک انھیں اس واقعے کی اطلاع تو مل
چکی ہو گی اور یہ بات بھی ان کے علم میں آ چکی ہو
گی کہ ہم اس وقت یہاں موجود ہیں۔"

"ہو سکتا ہے — ابھی تک انھیں اطلاع نہ ملی ہو،
وہ فرزانہ کی سہیلی کے ہاں گئے ہوئے ہیں — اخبارات،

ریڈیو اور ٹی وی پر تو ابھی خبریں نشر ہوں گی نا۔"

"ہوں، تو پھر آؤ — گیس ماسک پہن کر تلاشی لے آئیں۔"

وہ ہسپتال میں داخل ہوئے — ان کے کارڈ کی وجہ
سے انھیں روکا نہیں گیا، ورنہ یہاں بہت سختی تھی —
آخر وہ اس لاش تک پہنچے — اس کمرے میں اب
کوئی نہیں تھا — انھوں نے اس کے کپڑوں کی تلاشی
کی — اس میں سے انھیں شناختی کارڈ ملا — شناختی
کارڈ پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ دوسری چیزوں کی
طرف متوجہ ہو گئے — اس کی جیب سے صرف چند چھوٹے
کرنسی نوٹ برآمد ہوئے تھے، اس کے علاوہ سگریٹ کا
ایک سستا ترین پیکٹ اور ماچس بھی ملا تھا — اور بس —

"اس کا مطلب ہے — یہ بہت غریب آدمی تھا —
شاید محنت مزدوری کرتا ہو گا — آئیے، ذرا اس کے گھر
ہو آئیں — اس کے گھر والوں کو تو یہ بات معلوم بھی
نہیں ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے اداس لہجے میں کہا۔

"اگرچہ اس حادثے کی خبر انھیں لگ چکی ہو گی۔" خان
رحمان بڑبڑائے —

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے دروازے پر دستک
دے رہے تھے — دروازہ کھلا تو ایک نو عمر لڑکا نظر

"جی ہاں! میں ان کا لڑکا ہوں۔" اس نے کہا۔

"وہ کیا کام کرتے ہیں؟"

"مزدوری، معماروں کے ساتھ۔"

"ہوں! ان کا اُٹھنا بیٹھنا کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے؟" انھوں نے پُوچھا۔

"خیر تو ہے — آپ یہ بات کیوں پُوچھ رہے ہیں؟" لڑکا پریشان ہو گیا۔

"ہمارا تعلق پولیس سے ہے — اور ہم آپ سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا انھوں نے کوئی جُرم کیا ہے — اب وُہ حوالات میں ہیں؟"

"کیا آپ کے خیال میں وہ کوئی جرم کر سکتے ہیں؟"

"ہاں! وہ جرم کر سکتے ہیں — میری والدہ نے انھیں بہت مرتبہ روکا اور ٹوکا ہے کہ وہ جرم کا راستا چھوڑ دیں۔" لڑکا بولا۔

"اب تو آپ کی والدہ سے ملنا بھی ضروری ہو گیا۔"

"لیکن وُہ پردہ کرتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"... آپ کیا کہہ رہے ہیں — وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر بات کر لیں گی۔" لڑکے نے کہا۔

"خیر — آپ انھیں دروازے پر لا کر بٹھا دیں — ہم بات کر لیتے ہیں۔"

لڑکا اپنی والدہ کو لے آیا:

"جی فرمایئے — کیا ہوا ہے میرے شوہر کو؟" عورت کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"آپ کے بیٹے نے بتایا ہے کہ آپ انھیں جرم کے راستے پر چلنے سے روکتی رہتی تھیں، ٹوکتی رہتی تھیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"وہ کیا جرم کرتے رہے ہیں؟"

"پہلے آپ بتائیں نا — بات کیا ہے — اگر وُہ پکڑے گئے ہیں تو پھر تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہو گا۔"

"جی نہیں — ہمیں کچھ معلوم نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"تب پھر وُہ پکڑے نہیں گئے۔"

"یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے۔"

"گویا ان پر شک کیا جا رہا ہے۔"

"نہیں - شک بھی نہیں کیا جا رہا۔"

"شکریہ - میں کوئی بات نہیں بتاؤں گی - آخر یہ میرے شوہر کا معاملہ ہے، میں کیوں ان کے جیل جانے کا سبب بنوں - وہ مجھے بددعائیں نہیں دیں گے کیا۔"

"وہ آپ کو کوئی بددعا نہیں دیں گے - آپ ان کے بارے میں بتا کر ان کی مدد کریں گی اور قانون کی بھی - انھیں ہرگز قانون کی زد پر نہیں لیا جائے گا - یہ میرا وعدہ ہے - اور میرا نام انسپکٹر جمشید ہے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہو - کیا کہا - انسپکٹر جمشید - اگر آپ نے یہ بات پہلے بتا دی ہوتی تو میں اس قدر بحث ہرگز نہ کرتی - میرے شوہر دراصل ہیروئن کا نشہ کرنے لگے ہیں - میں نے انھیں سمجھانے کی انتہا کر دی ہے، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا - یہ بات میں نے آج تک اپنے بیٹے سے بھی چھپائی تھی، لیکن اب آپ کے سامنے اسے بھی بتا دی ہے - اللہ مجھے معاف کرے۔"

"آپ کچھ بتا سکتی ہیں - انھیں یہ عادت کس نے لگائی؟"

"انھوں نے آج تک مجھے نہیں بتایا، لیکن میں نے اندازہ ضرور لگایا ہے - ان کا ایک غلط دوست ہے - جہاں تک

میرا خیال ہے - یہ عادت انھیں اس غلط دوست کے ذریعے ہی لگی ہے - جب تک وہ شخص ان کا دوست نہیں بنا تھا، وہ بہت اچھے تھے - بہت نیک - محنتی اور نمازی۔"

"وہ کام کیا کرتے تھے؟"

"مزدوری۔" اس نے بتایا۔

"ہوں! اب آپ ان کے اس غلط دوست کا پتا بھی بتا دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں - وہ بھی مزدور ہے، لیکن دولت مند مزدور - اس کے گھر میں ہر وہ چیز ہے - جو کسی دولت مند آدمی کے گھر میں ہوتی ہے - لیکن اس کے باوجود وہ ایک مزدور ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" انھوں نے کہا۔

"آپ کیا سمجھ گئے؟"

"وہ مزدوروں کو ہیروئن کا عادی بناتا ہے - اس کی یہی ڈیوٹی ہے - گویا وہ کسی ہیروئن فروش تنظیم کا کارکن ہے - آپ فکر نہ کریں - ہم اسے دیکھ لیں گے۔"

"شکریہ - وہ ایک سو انیس سونا پور میں رہتا ہے - نام کالیا ہے - بہت مشہور آدمی ہے - سونا پور میں داخل ہوتے ہی لوگ اس کا گھر بتا دیں گے۔"

"شکریہ - آپ نے ہماری بہت مدد کی - اب ہم آپ کو ایک بُری خبر سنانے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

"جی - بُری خبر۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! یہ خبر سناتے ہوئے ہمارے دلوں پر کیا گزر رہی ہے - بتا نہیں سکتے - لیکن خبر سنانے پر مجبور ہیں آپ کے شوہر اب اس دُنیا میں نہیں ہیں۔"

"کیا - نہیں۔" دونوں چلّائے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے - کئی منٹ تک روتے رہنے کے بعد آخر عورت بولی:

"یہ - یہ کیسے ہوا - ان کی نعش کہاں ہے؟"

"نعش ہسپتال میں ہے، ان کی موت حد درجے پُراسرار ہے - ابھی تک ہم کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے - بلکہ وُہ تو اپنے ساتھ سولہ اور آدمیوں کو بھی لے مرے ہیں۔"

"سولہ اور آدمیوں کو - یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

انھوں نے تفصیل سے انھیں ساری بات دہرا دی - ان کی حیرت اور بڑھ گئی - آنسو بھی حیرت کے پیچھے جا چھپے - عورت نے کہا:

"اس واقعے کی خبر تو خیر یہاں تک پہنچ چکی ہے، لیکن ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ واقعہ ان کے ساتھ ہوا ہے۔"

"کل صبح آپ کو نعش ملے گی - اب ہم اجازت چاہیں گے ہاں، اس سلسلے میں ہماری خدمات کی ضرورت ہو تو بتا دیں - آپ نے عزیزوں کو فون وغیرہ کرنے ہوں تو ان کے نمبر دے دیں۔" انسپکٹر جمشید نے دُکھ بھرے انداز میں کہا -

"جی ہاں! اگر آپ ایسا کر دیں تو بہت مہربانی ہو گی۔"

اس نے نمبر لکھ کر دے دیے اور وہ وہاں سے نکل آئے - اکرام کی ڈیوٹی فون کرنے پر لگائی اور خود اسی وقت سُونا پور پہنچے - کالیا کا گھر واقعی انھیں فوراً بتا دیا گیا - وُہ بہت مشہور آدمی تھا - دستک کے جواب میں اس کی بیوی نے بتایا:

"وُہ آپ کو یہاں مشکل ہی ملے گا - ہفتے میں صرف ایک آدھ بار آتا ہے - اور بس۔" اس نے دُکھی آواز میں کہا۔

"چلیے - وُہ جگہ بتا دیں - جہاں وُہ مل سکتے ہیں۔"

"آپ اس کے چکر میں نہ پڑیں - تباہ ہو جائیں گے، برباد ہو جائیں گے۔"

"یہ تم کسے کس کے چکر سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو مکّار عورت - بے کار عورت۔" ایک بھاری بھرکم آواز سُنائی دی -

بھاری بھرکم آواز انھیں سنائی دی — گویا کالیا آگیا تھا۔ دُوسرے ہی لمحے کالیا غصّے میں بھرا اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے —

نیک نام

"یہ گھوڑا دراصل میرے ایک دوست کی نشانی ہے، اس لیے میں آپ کو لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" تنویر شابر نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن ڈیڈی — میں انھیں یہ دے چکی ہوں۔"

"تمھیں تو معلوم نہیں تھا نا کہ اس گھوڑے کی کیا اہمیت ہے۔"

"کوئی بات نہیں — ہم اس کا کیا کریں گے — آپ یہ رکھیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"آپ لوگ شاید جا رہے تھے؟" انھوں نے کہا

"جی ہاں! ہمیں واقعی بہت دیر ہو چکی ہے — امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"اچھا — اللہ حافظ۔" تنویر شابر نے کہا۔ جیسے فوراً انھیں گھر سے نکال دینا چاہتا ہو — وُہ بھی مونا کو

اللہ حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھے ۔ دونوں ان
کے پیچھے دروازے تک آئے ۔ ان کے باہر نکلتے
ہی سیٹھ شابر نے دروازہ بند کر لیا ۔

"یہ کیا ڈیڈی ۔ آپ نے انھیں رخصت کرنے میں
اتنی جلدی کیوں دکھائی ۔ انھیں ضرور بُرا لگا ہوگا۔"

"تمھیں نہیں معلوم ۔ یہ لوگ جس گھر میں چلے جاتے ہیں،
وُہ گھر مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب ۔ کیا یہ لوگ منحوس ہیں"؟ مونا نے بے یقینی
کے عالم میں کہا۔

فرزانہ کان دروازے سے لگائے کھڑی تھی ۔ اور
یہ آوازیں بخوبی سُن رہی تھی ، جب کہ محمود اور فاروق کو
کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا ۔

"ہاں ! بہت منحوس ۔ آیندہ انھیں کبھی گھر آنے کی
دعوت نہ دینا۔"

"آپ ضرور غلط فہمی کا شکار ہیں ۔ یہ تو محمود، فاروق
اور فرزانہ ہیں ۔ انسپکٹر جمشید کے بچّے ۔ اور آپ جانتے ہی
ہوں گے ۔ وہ کس قدر نیک نام ہیں۔"

"ہاں ! جانتا ہوں ۔ اچھی طرح جانتا ہوں ۔ لیکن تمھیں
کچھ معلوم نہیں۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

"کیا جانتے ہیں؟"

"بیٹی ۔ یہ سرکاری آفیسر اوپر سے کچھ ہوتے ہیں ۔ اندر
سے کچھ ۔ باہر سے نیک نام ، اندر سے گھناؤنے۔"

"نہیں ڈیڈی ۔ کم از کم انسپکٹر جمشید ایسے نہیں۔"

"اچھی بات ہے ۔ کسی دن میں دکھاؤں گا۔"

"اوہ واقعی۔" مونا نے لہجے میں حیرت تھی ۔

"ہاں ! میں اس شخص کے بارے میں بہت کچھ
جانتا ہوں ۔ اب تم اپنے کمرے میں جا کر اپنا سکول کا
کام کرو۔"

"شکریہ ڈیڈی۔"

"سکول میں ان سے ملنے کی کوشش بھی نہ کرنا ، ورنہ یہ
لوگ میرے بارے میں زہر اگلتے رہیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں ڈیڈی ۔ میں آپ کے خلاف کوئی
بات سُننا پسند نہیں کرتی۔"

"بہت خوب ! یہ ہوئی نا بات۔"

اس کے بعد فرزانہ کے کانوں نے کوئی آواز نہ
سُنی ، آخر وُہ وہاں سے ہٹ کر اپنی کار میں آ بیٹھے :

"اس گھوڑے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس کے بارے میں اُلجھن اور بڑھ گئی ہے ۔ ہاتھ

یں لیتے ہی، ہم شک میں پڑ گئے تھے۔"
"خیر — اب وُہ گھوڑا تو ہم حاصل کرکے رہیں گے،
ہوٹل ساہو والا واقعہ مجھے رہ رہ کر یاد آ رہا ہے —
ہم وہاں ایک جرائم پیشہ کا تعاقب کرتے ہوئے گئے
تھے — وہ تو کسی دُوسرے دروازے سے بچ نکلا تھا،
لیکن ہم تنویر شابر سے جا ٹکرائے تھے — لیکن یہ
بات تو شاید ایک آدھ سال پہلے کی ہے۔"
"ہاں ! اور اس طرح یاد ہے — جیسے ابھی کل کی
بات ہو۔"
"ہوٹل ساہو والی بات اور گھوڑے والی بات
ابّا جان کو بتانا ہو گی — پہلے تو ہم نے ہوٹل ساہو
کی بات انھیں نہیں بتائی تھی۔"
"اس وقت ہم انھیں جانتے نہیں تھے، لیکن اب
تو معلوم ہو چکا ہے کہ وُہ کون ہے — اور کیا ہے —
اور پھر اب اس نے اپنا نام کیوں بدل دیا — تنویر شابر
کی بجائے سیٹھ گڈو کیوں رکھ لیا۔"
"یہ باتیں الجھن میں ڈالنے والی ہیں، لیکن گھر جانے
سے پہلے ہم ہوٹل ساہو کا ایک چکر کیوں نہ لگا لیں۔"
فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"بہت خوب فرزانہ — مَیں تیار ہُوں۔"
"لیکن میرے نزدیک یہ بات بالکل بے کار ہے
اور میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"
"تب تم گھر جا سکتے ہو۔"
"پہلے سُن تو لو — کہ میں کیوں جانے کے لیے تیار
نہیں ہوں۔"
"سُننے کی کیا ضرورت ہے — ہم جانتے ہیں — تم
اوّل درجے کے سُست ہو۔"
"بالکل غلط — میں اوّل درجے کا کس طرح ہو سکتا
ہوں — جب تم دونوں بھی موجود ہو۔" فاروق نے مسکرا
کر کہا۔
"زبردستی ہنسانے کی کوشش نہ کرو۔" محمود نے تلملا کر کہا۔
"اچھی بات ہے — میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں
کہ تنویر شابر معلوم کرے گا کہ ہم نے ہوٹل ساہو کا
چکر لگایا ہے۔"
"اور وُہ معلوم کرے گا — لیکن ہمیں کیا — کیا ہم اس
سے ڈرتے ہیں اور کیا ہمیں اس سے ڈرنے کی کوئی
ضرورت ہے؟"
"ایسی کوئی بات نہیں — اچھا خیر چلو — میں چلنے کے

لیے تیار ہوں۔" فاروق نے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات۔"

تینوں ہوٹل ساہو پہنچے ۔ کاؤنٹر مین سے محمود نے کہا:

"ہمیں ہوٹل کے مالک سے ملنا ہے۔"

"کیا وہ آپ کو جانتے ہیں؟"

"جی ہاں! ہمارے نام محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"ایک منٹ۔" اس نے کہا اور ریسیور اٹھا کر ان کے نام دہرانے کے بعد بولا:

"یہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

ریسیور رکھ کر اس نے کہا:

"سیدھے چلتے جائیے ۔ برامدے کا آخری کمرہ ہے۔"

"شکریہ جناب۔" تینوں بولے۔

آخری کمرے کے دروازے پر دستک دیتے ہی انھیں باریک سی آواز سنائی دی:

"آجائیے ۔ دروازہ کھلا ہے۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئے ۔ اس پتلے دبلے اور کمزور سے آدمی کو تینوں اس روز دیکھ چکے تھے ۔ اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہی ہوٹل کا مالک ہے ۔

"آٹھ دس ماہ پہلے ایک واقعہ آپ کے ہوٹل میں

ہوا تھا۔"

"آپ کا اشارہ کون سے واقعے کی طرف ہے جناب، ہوٹلوں میں تو آئے دن واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"ایک صاحب ہیں ۔ ان کا نام ہے تنویر شابر ۔ کچھ یاد آیا؟"

"ہاں! بالکل ۔ اس شخص کو میں کس طرح بھول سکتا ہوں بھلا۔"

"آپ اس وقت کاؤنٹر پر کھڑے تھے ۔ تنویر شابر ہوٹل کے ہال میں کھانا کھا رہا تھا ۔ اچانک وہ دھاڑا تھا ۔ یہ ہوٹل ہے یا کباڑ خانہ ۔ سالن کی ایک پلیٹ میں تین مکھیاں ۔ کہاں ہیں اس ہوٹل کے مالک ۔ اور جب آپ معذرت کے انداز میں آگے بڑھے تو اس نے آپ کو ایک ہاتھ سے کسی ننھے سے بچے کی طرح کمر سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا تھا ۔ پورا ہال زور زور سے ہنسنے لگا تھا ۔ پھر اس نے آپ کو نیچے پٹخ دیا تھا ۔ آپ اس سے معافی مانگ رہے تھے ۔ لیکن وہ معاف کرنے پر تیار نہیں تھا ۔ ایسے میں ہم آگے بڑھے تھے اور لوگوں کو بتایا تھا کہ مکھیاں کھانے میں نہیں تھیں، بلکہ تنویر شابر کی جیب میں

ایک پڑیا میں تھیں۔ ہم نے دراصل سیٹھ شابر کو پڑیا نکالتے ہوئے اور اس میں سے مکھیاں سالن میں گراتے دیکھ لیا تھا۔ جب ہم نے یہ بات بتائی تو سارا ہوٹل سکتے میں آ گیا۔ کئی لوگ چلّا اُٹھے :
'نہیں، سیٹھ شابر ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ کوئی غریب آدمی نہیں ہیں کہ ہوٹل کا بل بچانے کے لیے اس قسم کا کوئی چکر چلائیں گے'۔

لیکن اس موقعے پر میں نے اعلان کیا تھا کہ اس ہوٹل کا فرش اس قدر صاف ہے۔ کہ کوئی ذرا سا تنکا تک نیچے سے اٹھا کر نہیں دکھا سکتا۔ لیکن ہم وہ کاغذ اٹھا کر آپ سب کو دکھا سکتے ہیں جس میں مکھیاں تھیں۔ میرے یہ الفاظ سن کر سیٹھ شابر گھبرا گیا تھا۔ اور ہم نے وُہ کاغذ اٹھا کر لوگوں کو دکھایا تھا۔ اس پر ایک مری ہوئی مکھی چپکی رہ گئی تھی۔ تب جا کر لوگوں کو یقین آیا۔ اور سیٹھ شابر سر جھکائے ہوٹل سے نکل گیا تھا۔"

"ہاں ! یہ باتیں مجھے یاد ہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"ہم شکریہ وصول کرنے نہیں آئے۔ ایسا ہوتا تو اس سے اگلے روز آتے۔"

"تب پھر۔"

"آخر سیٹھ شابر کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ بل کی رقم بچانا چاہتے تھے؟"

"جی نہیں۔ میرے ہوٹل کو بدنام کرنا چاہتے تھے۔"

"لیکن کیوں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔ اس روز کے بعد تو میری ان سے ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ وُہ یہاں آئے ہی نہیں۔"

"ہوں۔ اچھا۔ کیا آپ ان کے بارے میں ہمیں کچھ بتا سکتے ہیں؟"

"اس واقعے سے پہلے وُہ عام طور پر یہاں آیا کرتے تھے۔ لیکن پھر نہیں آئے۔ میں انھیں صرف ایک گاہک کی حیثیت سے جانتا ہوں۔"

"خیر۔ ہم معلوم کریں گے۔ کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔" محمود مسکرایا۔

"جی۔ کیا فرمایا۔ آپ معلوم کریں گے۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد۔ آخر اب اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت کی بات نہیں۔ بات ہے اُلجھن کی۔ اس شخص سے پہلی ملاقات پر بھی ہم شدید اُلجھن کا شکار ہو گئے تھے۔ اور آج دوسری ملاقات ہوئی ہے تو پہلے

سے بھی زیادہ ہمیں اُلجھن کا شکار ہونا پڑ گیا ہے۔"

"کیا مطلب"؟ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مطلب تو ہم پھر کسی وقت بتائیں گے۔ آپ کو اگر ان کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو بتا دیں۔"

"جی نہیں! مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔"

"اس ہوٹل میں منشیات کا کاروبار تو نہیں ہوتا۔"

"ہرگز نہیں۔ آپ بے شک تلاشی لے لیں۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں، لیکن ہو سکتا ہے۔ ہم پھر کسی وقت آ کر تلاشی لیں۔"

"گویا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔"

"یہ بات نہیں۔ ہم کیس سے متعلق ہر آدمی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"لیکن میرا تو کسی کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے جناب۔"

"تو ہم نے کب کہا ہے کہ آپ کا تعلق ہے، لیکن آپ کے ہوٹل میں اس پُر اسرار شخص کا تو آنا جانا رہا ہے جس کے بارے میں ہم تفتیش کر رہے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے۔ خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"اور ابھی آپ نے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔"

"میرا نام سیٹھ گڈو ہے۔"

"کیا ہے۔" تینوں ایک ساتھ چلائے۔

ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی، دوسری طرف ہوٹل کے مالک کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا، کیونکہ یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ وہ تینوں اس کا نام سن کر حیران کیوں ہوئے ہیں۔

کیا!!!

"اوہ— تو تم ہو کالیا؟" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کک—کیا مطلب—آپ— یعنی کہ آپ" کالیا دھک سے رہ گیا۔

"بہت دنوں بعد ملاقات ہو رہی ہے—مسٹر ٹانڈو۔"

"تو آپ نے مجھے پہچان لیا ہے— حیرت ہے— میرا خیال تھا، اب اس شہر میں مجھے ٹانڈو کے نام سے کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے— پہلے تم نے بڑی سی ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی— اب وہ ڈاڑھی چہرے پر نہیں ہے—گویا نئے نام کالیا کے ساتھ تم نے ٹانڈو کی ڈاڑھی سے بھی چھٹکارا پا لیا؟"

"لیکن آپ کو میرے ہاں آنے کی کیا ضرورت پیش

آ گئی؟"

"رشید میاں کو جانتے ہو؟"

"کون رشید میاں؟" اس نے انجان بن کر کہا۔

"ایک سو نو سلطان پور میں رہتا ہے۔"

"جی نہیں— میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔"

"تب پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رشید میاں کے گھر والے تمھیں پہچانتے ہوں اور یہ بیان دیں کہ کالیا نامی ایک آدمی رشید میاں کا دوست ہے۔"

"تو وہ کوئی اور کالیا ہو گا۔"

"نہیں— انھوں نے حلیہ بھی بتایا اور پتا بھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ضرور میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔"

"تمھارے خلاف اور سازش— سازش کرنے والوں کے خلاف۔"

"تو آپ کے خیال میں میں سازشی ہوں؟"

"آج کے نہیں— دس سال پرانے— کیا تم نے دس سال پہلے ایک دولت مند آدمی کو پیسے پیسے کو محتاج نہیں بنا دیا تھا— وہ تو میں درمیان میں آ گیا، ورنہ تم تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"مجھے نہیں یاد"۔ اس نے منہ بنایا۔

"خیر — رشید میاں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"میں اس نام کے آدمی کو بھی نہیں جانتا۔"

"اچھی بات ہے — میں ذرا ایک فون کر آؤں — خان رحمان — اس کا دھیان رکھنا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ اگر تم فرار ہونے کی کوشش کرو تو یہ تمھاری کوشش کو ناکام بنا دیں — یہ ریٹائرڈ فوجی ہیں اور ان کا نشانہ بہت پختہ ہے۔"

"ہوگا — مجھے کیا؟" اس نے منہ بنایا۔

فون کرنے کے بعد انسپکٹر جمشید پھر اندر آ گئے — آدھ گھنٹے بعد اکرام رشید میاں کے بیٹے اور بیوی کو لیے اندر داخل ہوا — کالیا کو دیکھ کر ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی —

"یہ کون صاحب ہیں؟ آپ دونوں بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں — اس کا نام کالیا ہے — اور یہی وہ شخص ہے جس نے میرے شوہر کو غلط راستے پر لگایا، انھیں ہیروئن کی لعنت لگائی۔" بیوہ نے روتے ہوئے کہا۔

"مسٹر کالیا — عرف ٹانڈو — اب بھی تم انکار کرو گے؟"

"ہاں! یہ سب میرے خلاف سازش ہے — میں نہ انھیں جانتا ہوں، نہ رشید میاں کو۔"

"کیا!!!" وہ دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔

"آپ فکر نہ کریں — اس کے انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے — ہوتا تو وہی ہے — جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے اور پھر اکرام سے بولے:

"ان حضرت کو فوراً کمرۂ امتحان تک لے جانا ہے — وہاں چل کر معلوم ہوگا کہ یہ کتنے پانی میں ہیں۔"

"او کے سر۔"

"کک — کیا مطلب — آپ مجھ پر تشدد کریں گے — یہ سودا آپ کو بہت مہنگا پڑے گا۔"

"اب ہم کیا کریں — تم اس کے بغیر سچ اگلنے کو تیار نہیں۔"

"آخر آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

"رشید میاں کی موت کس طرح واقع ہوئی؟"

"کیا — رشید میاں مر چکے ہیں؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"زیادہ ایکٹنگ نہ کرو — میں سچ اور جھوٹ میں تمیز

کر سکتا ہوں۔"

" تو آپ کے خیال میں مجھے رشید میاں کی موت کے بارے میں معلوم ہے؟"

" ہاں بالکل۔"

" چلیے خیر — میں مان لیتا ہوں۔"

" صرف یہ بات مان لینے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا — ہم جاننا چاہتے ہیں کہ موت کس طرح واقع ہوئی ہے؟"

" زہر کے ذریعے۔" اس نے کہا۔

" اور وہ زہر کس قسم کا تھا؟"

" یہ بات تو میں خود بھی نہیں جانتا — باس نے مجھے زہر کی ایک گولی دی تھی کہ میں وُہ ہیروئن کے طور پر رشید میاں کو دوں — چنانچہ جب وُہ مجھ سے ہیروئن لینے آیا تو میں نے اسے وُہ گولی دے دی — اس گولی میں اور ہیروئن کی گولی میں کوئی فرق نہیں تھا — باس نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ رشید میاں کو یہ گولی دینا ہے — سو میں نے دے دی — پہلے اس نے کبھی ایسی کوئی چیز خصوصیت سے نہیں دی تھی — اب ہمارے ہاتھ سے لے کر ہیروئن کی بجائے زہر کھا لینا ہیروئن کے عادیوں کے لیے بھلا کیا مشکل ہے۔"

" ہوں! بات ٹھیک ہے۔"

" تو اس نے یہ بات ابھی بتا دی تھی کہ یہ گولی ہیروئن کی نہیں — زہر کی ہے؟"

" بالکل!" اس نے کہا۔

" اس کے باوجود تم نے وُہ رشید میاں کو دے دی۔"

" اور کیا کرتا — ہم باس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے — ورنہ وُہ ہمیں کہیں کا نہ چھوڑے، اس کے پاس ہمارے ہر جرم کا ثبوت ہے — جب کہ ہمارے پاس اس کے خلاف کچھ بھی نہیں ہے۔"

" لیکن تم وہ گولی لے کر پولیس کے پاس تو جا ہی سکتے تھے؟"

" اس طرح تو میں اور مشکل میں پھنس جاتا — پولیس والے مجھے گرفتار کر لیتے اور حوالات میں باس کا کوئی آدمی مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتا — اب میں کم از کم زندہ تو ہوں۔"

" اب میں تمھیں گرفتار کر رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

" کوئی پروا نہیں — باس مجھے چھڑا لے گا۔"

" اوہو اچھا! یہ بات بھی ہے۔"

" ہاں! اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں — آپ اسے نہیں

جانتے۔ وہ تو آپ سے بھی جو کام چاہے، لے سکتا ہے۔"
اس نے کہا۔

"ارے کیا واقعی؟"

"ہاں بالکل — میں صرف چوبیس گھنٹے میں حوالات سے باہر ہوں گا۔"

"لیکن بھئی — میرا خیال ہے — ایسا نہیں ہو سکے گا۔"
انسپکٹر جمشید نے پُریقین انداز میں کہا۔

"میں کہتا ہوں — ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔"

"اچھی بات ہے — تجربہ ہو جائے گا۔" وہ بولے اور اکرام کو اشارہ کیا۔

"آئیے جناب چلیں حوالات۔" اکرام نے خوش ہو کر کہا۔

"ضرور — کیوں نہیں، لیکن کتنی دیر کے لیے — بس زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے کے لیے۔"

"خیر بھئی دیکھتے ہیں۔"

اکرام اسے لے کر چلا گیا — وہ بھی باہر نکل آئے، ان کا رُخ دفتر کی طرف تھا:

"آپ نے اس کی باتیں سُنیں پروفیسر صاحب — اور خان رحمان؟"

"ہاں! سُنیں — تم نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"چوبیس گھنٹے بعد میں آپ کی ملاقات اس سے کراؤں

گا اور اپنا خیال بھی ظاہر کروں گا — آپ اس وقت تک کے لیے انتظار کریں۔"

"لیکن ابھی تک تو ہم اس زہر کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے۔"

"جب تک گولی ہاتھ نہیں لگ جاتی — اس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہوں گے — اب ضرورت ہے اس بات کی کہ کوئی گولی ہمارے ہاتھ لگے۔"

"تب تو ہم نے کالیا پر ہاتھ ڈال کر غلطی کی۔"
خان رحمان بولے۔

"اگر اس پر ہاتھ نہ ڈالتے تو یہ معلومات حاصل نہ ہوتیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" پروفیسر بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — گولی ہمارے ہاتھ لگے گی — ہم اس کا تجزیہ بھی کرائیں گے — ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کالیا کی گرفتاری سے کیا طوفان اُٹھتا ہے۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی، ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف آئی جی صاحب تھے:

"جمشید فوراً یہاں پہنچو۔" ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

کچھ ہی لمحوں بعد انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد ان کے سامنے موجود تھے:

"جمشید۔ یہ تم نے کیا کیا — کالیا عرف ٹمانڈو کو گرفتار کر لیا۔" آئی جی صاحب نے پریشان آواز میں کہا۔

"کیا وہ کوئی ایسی چیز ہے سر — کہ ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے؟"

"یہ بات نہیں — وہ ضرور کسی ایسے آدمی کے لیے کام کرتا ہے — جس کے ہاتھ بہت زیادہ لمبے ہیں — میں تمھیں بتا نہیں سکتا کہ کس کس نے اب تک مجھے اسے رہا کرنے کے لیے فون کر ڈالے ہیں۔"

"مہربانی فرما کر ان کے نام پتے بتا دیں۔"

"افسوس! اس بات کی مجھ پر زبردست پابندی ہے، میں ان کے نام نہیں بتا سکتا۔"

"سر — یہ بہت ضروری ہے — ملک میں جو اس قدر خرابی پھیل چکی ہے — تو اس کی وجہ اس قسم کے لوگ ہی ہیں، اگر ان پر براہِ راست ہاتھ نہ ڈالا گیا تو ایک دن پورا ملک چوں چوں کا مربہ بن جائے گا۔"

"لیکن اگر میں نے ان کے نام بتا دیے تو میری ملازمت ضرور ختم ہو جائے گی۔"

"سر! ملک ختم ہونے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ کی اور میری ملازمت ختم ہو جائے۔" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ

لہجے میں کہا۔

آئی جی صاحب چند سیکنڈ تک کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور آخر انھوں نے کہا:

"ٹھیک ہے جمشید — میں تمھیں ان کے نام پتے بتاؤں گا، لیکن تم ان کے خلاف کیا ثبوت پیش کرو گے، بلکہ ان پر کیا الزام لگاؤ گے — انھوں نے مجھے صرف فون کیے ہیں — اور وہ کر سکتے ہیں — انھوں نے ایسے کوئی فون نہیں کیے، پھر تم کیا کرو گے؟"

"میں انھیں یہ فون کرنے کے الزام میں نہ تو کچھ کہوں گا، نہ گرفتار کروں گا — میں تو ان پر نظر رکھوں گا — یہ جاننے کے لیے کہ ان کا کالیا سے کیا تعلق ہے — یا کالیا اور یہ لوگ آخر کیا چیز ہیں — اور پھر ان پر کاری وار کیا جائے گا۔"

"ہوں! بات ٹھیک ہے — ٹھہرو — میں ان کے نام لکھ کر دے دیتا ہوں — پتے ساتھ لکھنے کی ضرورت نہیں، وہ بہت بڑے اور مشہور لوگ ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ کاغذ پر نام لکھتے چلے گئے — یہ کُل گیارہ نام تھے —

انھوں نے نام پڑھے — اور حیران رہ گئے — ان میں

کوئی وزیر تھا۔ کوئی قومی اسمبلی کا ممبر تھا۔ کوئی کسی
وزیر کا سیکرٹری تھا۔ ان کا رنگ اڑ گیا۔

"اب کیا کہتے ہو جمشید؟"

"سر۔ اگر ملک کو بچانا ہے۔ تو اس قسم کے لوگوں
سے ملک کو پاک کرنا ہوگا۔ آخر یہ اتنے بڑے لوگ
ایک جرائم پیشہ شخص کو کیوں بچانا چاہتے ہیں۔ ذرا
سوچیں۔ وہ کس قدر گھناؤنا کاروبار کرتا ہے۔ اس کا
کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہیروئن کا عادی بناتا ہے،
اس نے رشید میاں جیسے لوگوں کو ہیروئن کا عادی بنا دیا،
اوہو۔ ارے۔" وہ کہتے کہتے چونک کر رک گئے۔

"کیوں کیا بات ہے۔ کیا کوئی زوردار خیال سوجھ
گیا ہے؟" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"خیال یہ آیا ہے۔ کہ جب کالیا کے تعلقات
اتنے بڑے بڑے لوگوں سے ہیں تو پھر رشید
میاں جیسے غریب لوگوں پر وہ کیوں وقت ضائع
کرتا پھرتا ہے۔ رشید میاں، ہیروئن کے لیے بھلا
کتنی دولت صرف کر سکتا ہے۔ کالیا کو تو چاہیے
کہ وہ دولت مند ترین لوگوں کو پھانسے۔ نہیں سر،
یہ کوئی اور چکر ہے۔ خالص ہیروئن کا چکر نہیں

ہے۔ حالیہ واقعہ مجھے چونکائے دے رہا ہے۔
صرف ایک آدمی کی موت نے سولہ آدمیوں کی جان
لے لی۔ اور کئی بے ہوش ہیں۔ کیا یہ طریقہ بم
سے زیادہ خوفناک نہیں ہے۔ اور پھر بم رکھنے والے
عام طور پر پکڑے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے سرغنوں
کا سراغ لگا لیا جاتا ہے۔ لیکن اس طریقۂ واردات
میں انھیں بم رکھوانے کی ضرورت نہیں۔ نہ اپنا
آدمی پکڑوانے کی ضرورت ہے۔ ذرا غور کریں۔
ہیروئن کا ایک عادی آدمی اپنے خاص ٹھکانے پر
ہیروئن لینے جاتا ہے۔ وہ اسے گولی کی شکل میں
ہیروئن نما چیز دے دیتا ہے۔ اب اسے نہیں معلوم
کہ یہ ہیروئن ہے یا کیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ وہ خاص زہر، ہیروئن میں ملا کر دیا گیا ہو۔
وہ عادی انسان اس کو کھا لیتا ہے۔ اور کسی سڑک
پر مر جاتا ہے۔ زہر دینے والوں کو معلوم ہے
کہ جو لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے۔ ان میں
سے اکثر مارے جائیں گے۔ جہاں بم پھٹتا ہے
سر۔ وہاں سے لوگ دور بھاگ جاتے ہیں، لیکن
جہاں کوئی انسان مرتا ہے۔ وہ بھی اچانک۔

وہاں تو لوگ جمع ہو جاتے ہیں — وہ نہیں جانتے
کہ وہ بم سے زیادہ خطرناک جسم کی طرف بڑھ رہے
ہیں — یہ بم سے زیادہ خطرناک ہوا یا نہیں — اور
میں تو ابھی سے ڈر رہا ہوں دوسری واردات سے۔"

"ن — نہیں — نہیں۔" آئی جی صاحب چلائے۔

"تب پھر — آپ اپنا فیصلہ خود سنا دیں — آپ کا لیا
کو چھوڑ رہے ہیں یا نہیں؟"

"نہیں — ہرگز نہیں — ملازمت چھوڑ سکتا ہوں — اب
فوراً شہر میں اعلان کرانا شروع کر دیں — اگر کوئی شخص
اچانک سڑک پر گر کر تڑپنے لگے — تو اس کے نزدیک
جمع نہ ہوں — اس سے دور رہیں — بلکہ بہت دور — صرف
پولیس کو اطلاع دے دیں۔"

"لیکن جمشید — تم فیل ہو جاؤ گے۔" پروفیسر داؤد کی آواز
نے انھیں چونکا دیا۔

"کیا مطلب؟"

"اگر وہ ایسے آدمی کو گولی دیں — جو فلم دیکھنے کا
عادی ہو — وہ گولی کھا کر سینما میں چلا جائے — سینما
کے اندھیرے میں وہ مر جائے — لوگوں کو تو ہوشیار
ہونے میں نہ جانے کتنا وقت لگ جائے گا — لوگ

تو فلم میں محو ہوں گے — اس وقت وہاں کیا حال ہوگا،
کیا لاشیں نہیں بچھ جائیں گی؟"

"ن — نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"اور اس سے بھی زیادہ بھیانک بات — کسی لاکھوں
آدمیوں کے جلسے میں — جب کوئی رہنما تقریر کر رہا ہو —
اور کوئی آدمی اس مجمعے کے درمیان مر جائے — تو —
لوگوں کے بھاگنے کی صورت میں بھی ان گنت لوگ مارے
جائیں گے۔"

"اُف مالک —" خان رحمان نے کانپ کر کہا — آئی جی
صاحب کا رنگ تو پہلے ہی دودھ کی طرح سفید ہو چلا
تھا — آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اس کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے — ہم
جلد از جلد اس کیس کے اصل مجرم کو پکڑ لیں — تاہم
آپ شہر میں فوری طور پر اعلانات شروع کرا دیں —
کیونکہ اب ہماری ملازمت بھی تو چھین لی جانے والی
ہے، پھر ہم یہ اعلانات بھی نہیں کروا سکیں گے —
لہٰذا پہلا کام اعلانات۔"

"اچھی بات ہے جمشید۔" انھوں نے کہا اور فون پر ہدایات
دینے لگے۔

"تو جمشید — یہ کام تو گیا ہو — ابھی چند منٹ بعد اعلانات نشر ہونے لگیں گے اور ہر آدھ گھنٹے بعد نشر ہوتا رہے گا۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی — دوسری طرف کی آواز سن کر آئی جی صاحب چونک کر بولے:

"یس سر — جی — جی ہاں — لل — لیکن سر — آپ میری بات —"

ان کے الفاظ رک گئے — جیسے انھیں کہ دیا گیا ہو، وہ صرف سنیں — کچھ بولیں نہ — اور جب انھوں نے ریسیور رکھا تو ان کا ہاتھ بہت ڈھیلا ڈھالا تھا —

"اب کیا ہوا؟"

"ہمارے دشمن نے جان لیا کہ ہم ان تمام آدمیوں کے ٹیلی فونوں کے باوجود کالیا کو نہیں چھوڑ رہے ہیں — لہٰذا اب اس نے صدر صاحب سے بات کی ہے — اور یہ فون انھی کا تھا — ان کا حکم ہے کہ ہم کالیا کو فوراً رہا کر دیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہو گئی۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

"وہ کیسے؟"

"ہم سب ان کے پاس چلتے ہیں — ساری بات انھیں بتاتے

ہیں — اور پھر اس آدمی کا نام ان سے پوچھتے ہیں، جو کالیا کو رہا کرانا چاہتا ہے۔"

"تجویز بہت معقول ہے — آئیے چلیں۔" آئی جی صاحب بولے۔

وہ اس وقت ایوانِ صدر پہنچے — صدر صاحب نے انھیں حیران ہو کر دیکھا اور آئی جی صاحب کے چہرے پر نظر پڑتے ہی انھوں نے کہا:

"کالیا کو چھوڑ دیا ہے آپ نے؟"

"اسی کے سلسلے میں بات کرنے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب — آپ نے اب تک میرے حکم کی تعمیل نہیں کی؟"

"نہیں سر۔" انھوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیا کہا — نہیں — یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" صدر صاحب غرائے —

"آپ ٹھیک سن رہے ہیں سر — کالیا کو ہم رہا نہیں کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"کیا!!!" صدر صاحب دھک سے رہ گئے —

ایک خیال

"آپ نے اپنا کیا نام بتایا جناب"؟ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"سیٹھ گڈو۔"

"کیا یہ آپ کا اپنا نام ہے"؟ فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ آپ نے کیا بات پوچھی؟"

"آپ میرے سوال کا جواب دیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرا بچپن کا نام گڈو ہے — سیٹھ میں بعد میں بنا، لہذا لوگوں نے سیٹھ گڈو کہنا شروع کر دیا۔"

"کمال ہے۔" فرزانہ بولی۔

"کیا کمال ہے — مجھے بھی تو بتائیں۔"

"آپ تنویر شابر کو جانتے ہیں؟"

"تنویر شابر — نام تو جانا پہچانا سا لگتا ہے۔"

"یہ شہر کا ایک دولت مند آدمی ہے — اس کا اصل

نام تنویر شابر ہے، لیکن اب یہ خود کو سیٹھ گڈو کہلانے لگا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب اس بات میں مطلب کس بات کا بتائیں جناب؟" فاروق بولا۔

"مطلب یہ کہ اس میں عجیب بات کیا ہے — اگر ایک شخص اپنا نام تبدیل کرے اور سیٹھ گڈو رکھ لے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

"پتا نہیں — حیرت کی کوئی بات ہے یا نہیں — لیکن ہمیں سن کر حیرت ہوئی ضرور ہے — ایک ہی شہر میں دو بالکل ایک جیسے نام — جو کہ عام طور پر رکھے نہیں جاتے، گھروں میں بچوں کو پیار سے گڈو کہا تو جانے لگتا ہے، لیکن بڑے ہونے پر کوئی خود کو گڈو نہیں کہلواتا ہے، لیکن آپ ہیں کہ سیٹھ گڈو ہی خود کو کہلوانا پسند کرتے ہیں — آپ ہی نہیں — ایک اور شخص تنویر شابر ہیں — انھوں نے اپنا اصل نام چھوڑ کر خود کو سیٹھ گڈو کہلوانا شروع کر دیا ہے — ہے نا عجیب بات؟"

"پتا نہیں — عجیب ہے یا نہیں — میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"خیر — آپ کچھ نہ کہیں — کہنے کے لیے تو ہم ہی کافی

ہیں — اور یہ بتائیں — کاغذات میں آپ کا نام کیا ہے؟"

" گڈو۔" اس نے کہا۔

" تب تو آپ پکے سچے گڈو ہیں — جب کہ تنویر شابر جھوٹا موٹا گڈو۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

" یار تم تو چپ رہو — ہم اس اُلجھن کو دُور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

" اس کا بہترین طریقہ ہے کہ ان دونوں کا آمنا سامنا کرا دیں۔"

" اوہ ہاں! ٹھیک ہے — سُنیئے جناب — آپ ہمارے ساتھ چلیں — ہم تنویر شابر سے ملاقات کریں گے۔"

" لیکن سوال یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ کیوں جاؤں؟"

" قانون کی مدد کرنے کے خیال سے تو جا ہی سکتے ہیں۔"

" اچھی بات ہے — چلیے۔" اس نے کہا۔

چاروں تنویر شابر کے ہاں پہنچے — دروازہ مونا نے کھولا، وُہ انھیں دیکھ کر حیران ہو گئی — اور سیٹھ گڈو کو دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی:

" خیر تو ہے — آپ لوگ پھر آ گئے — اور یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟"

" ان کا نام سیٹھ گڈو ہے۔"

" جی کیا مطلب؟"

" یہی بات ہم نے ان کا نام سن کر کہی تھی۔"

" کیا بات؟"

" جی کیا مطلب — کہا تھا ہم نے بھی — اس لیے کہ تھوڑی دیر پہلے ہی تو ہم نے آپ کے والد کا یہ نام سُنا تھا — یعنی سیٹھ گڈو — آپ کے ہاں سے ان کے ہاں گئے تو گویا وہاں بھی ایک عدد سیٹھ گڈو موجود تھے — یہ بات ہمیں کچھ عجیب سی لگی — لہٰذا ہم انھیں اپنے ساتھ لے آئے۔"

" میں کچھ نہیں سمجھی — شاید یہ معاملہ ڈیڈی کے سمجھنے کا ہے، لہٰذا میں انھیں لے آتی ہوں — آپ تشریف رکھیے۔" اس نے کہا اور باہر نکل گئی —

ایک منٹ بعد ہی تنویر شابر اندر داخل ہوئے:

" اس قدر جلد دوبارہ آنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں — اوہو — یہ کون صاحب ہیں؟"

" مجھے سیٹھ گڈو کہتے ہیں۔"

" کیا کہا — سیٹھ گڈو — آپ کا یہ نام ہے؟"

" ہاں! آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

" نن — نہیں — اعتراض کس بات کا۔" وہ بولے —

"یہ اور بات ہے کہ ان کا نام بھی سیٹھ گڈو ہے۔"
محمود ہنسا۔

"عجیب اتفاق ہے۔" تنویر شابر نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"ہم آپ کے ہاں سے ان کے پاس گئے تو انھوں نے اپنا نام سیٹھ گڈو بتایا — ہمیں بہت حیرت ہوئی — حیرت دراصل اس لیے ہوئی کہ پہلے آپ کا یہ نام نہیں تھا — مہربانی فرما کر یہ بتا دیں کہ آپ کو نام تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟"

"چند ماہ پہلے ایک ڈاکو کا نام بہت مشہور ہوا تھا، لیکن وُہ پکڑا نہیں جا سکا تھا — اس کا نام تنویر شابر تھا — مجھے بہت گھبراہٹ ہوئی — کہ ایک ڈاکو کا وہی نام ہے جو میرا — لہٰذا میں نے فوراً اپنا نام بدل دیا، میں نے باقاعدہ اخبار میں اعلان کر دیا تھا کہ اب مجھے اس نام سے کوئی نہ پکارے — لیکن ایسا نہ ہو سکا، لوگ مجھے تنویر شابر ہی کہتے رہے۔" انھوں نے سرد آہ بھری۔

"تو کیا آپ کے ذہن میں اپنا نیا نام سیٹھ گڈو ہی آیا تھا — کوئی اور نام نہیں سوجھا آپ کو؟"

"بچپن میں مجھے گھر میں گڈو کہتے تھے — بس اس

موقعے پر مجھے اپنا یہی نام یاد آ گیا!"

"خیر — آپ کی وضاحت قابلِ قبول ہے۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال ہے — اب ہمیں چلنا چاہیے۔" سیٹھ گڈو ہوٹل کے مالک نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔

"خیر تو ہے؟"

"میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے — مجھے دل کی تکلیف ہے — کسی وقت بھی دل میں درد ہو جاتا ہے — ایسے میں مجھے فوراً ایک دَوا لینا پڑتی ہے اور اس وقت وُہ دوا میری جیب میں نہیں ہے۔"

"اوہ — تب تو پھر چلیے — اچھا شابر صاحب — ہم نے آپ کو زحمت دی۔"

وُہ وہاں سے نکلنے کے لیے مُڑے ہی تھے کہ ایک عجیب بات ہوئی — تنویر شابر اچھل کر گرا اور تڑپنے لگا —

"ارے ارے — بھاگو۔" سیٹھ گڈو نے چلّا کر کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی —

محمود، فارُوق اور فرزانہ بدحواس ہو کر باہر نکل آئے، مونا نے بھی دیر نہ لگائی — سیٹھ گڈو نے دروازہ بند

کر دیا —

" یہ — یہ کیا ہوا — آپ نے ہمیں بھاگنے کے لیے کیوں کہا؟" محمود بولا۔

" کیا آپ نے اب تک شہر میں ہونے والی واردات اور اس کے بعد ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ کے ذریعے ہونے والے اعلانات نہیں سنے؟" سیٹھ گڈو نے کہا۔

" نن — نہیں — ہم تو کچھ ایسے اُلجھے کہ ہوش ہی نہیں رہا، باہر کیا ہو رہا ہے — مہربانی فرما کر باہر ہونے والی واردات کے بارے میں بتائیں۔"

سیٹھ گڈو نے جلدی جلدی ساری بات بتائی — وہ اس کمرے سے اور بھی دُور ہٹتے چلے گئے —

" لل — لیکن — ہمیں ڈیڈی کے لیے کچھ کرنا تو چاہیے۔" مونا نے پریشان ہو کر کہا۔

" ہم — ہم پولیس کو فون کرتے ہیں — پولیس والے گیس ماسک پہن کر اندر جائیں گے — ہم خطرہ مول نہیں لیں گے۔" سیٹھ گڈو نے کہا۔

" اچھی بات ہے۔"

محمود نے سب انسپکٹر اکرام کو فون کیا، پہلے شہر میں ہونے والی واردات کی تصدیق کی — پھر اس گھر میں

ہونے والے واقعے کے بارے میں بتایا، اس پر اکرام نے کہا:

" لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ واقعہ بھی اسی قسم کا ہو۔ ہو سکتا ہے — وہ کوئی عام واقعہ ہو۔"

" جی ہاں، لیکن اس کے پاس سے دُور ہٹ جانا تو ان حالات میں ضروری تھا۔" اس نے کہا۔

" ہاں ٹھیک ہے — میں ماہرین کو لے کر پہنچتا ہوں۔" اکرام آدھ گھنٹے بعد وہاں پہنچ گیا —

" آپ لوگ ہیں کہاں — آپ کو کچھ معلوم بھی ہے — شہر میں کیا ہو چکا ہے۔"

" مسٹر سیٹھ گڈو کی زبانی ہی پتا چلا ہے۔"

" وہ تو صرف اس واردات کے بارے میں بتا سکا ہے — اس کے علاوہ کیا ہوا ہے — انسپکٹر صاحب کس حال میں ہیں۔"

" کیا ہوا — وہ خیریت سے تو ہیں۔" فرزانہ گھبرا گئی — محمود اور فاروق کے رنگ اڑ گئے —

" ہاں! وہ خیریت سے ہیں — اس وقت میری اطلاع یہ ہے کہ وہ صدر صاحب کے پاس گئے ہوئے ہیں۔"

" لیکن کیوں؟"

"پھر بتاؤں گا — پہلے ہم تنویر شابر کو دیکھ لیں — وہ بے چارے ٹھیک بھی ہیں یا نہیں۔"

سادہ لباس والوں نے گیس ماسک چڑھا لیے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ باقی لوگ اور بھی دُور ہٹ گئے — اچانک انھوں نے اکرام کی دہشت زدہ آواز سنی:

"اس طرف نہ آئیے گا — یہ بالکل وہی کیس ہے — آپ لوگ بال بال بچے — اگر مسٹر گڈو آپ کو خبردار نہ کر دیتے تو اس وقت آپ بھی یہیں لیٹے ہوتے — مسٹر شابر اس دُنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں۔"

"ن — نہیں۔" مونا پوری قوّت سے چلّائی — اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

لاش کو پلاسٹک بیگ میں بند کر کے جوں کا توں وہاں سے لے جایا گیا — جانے سے پہلے ایک ماہر نے ان سے کہا:

"ابھی آپ نصف گھنٹے تک اس کمرے میں نہیں جائیں گے۔"

"جی بہتر!" وُہ بولے۔

ان پر سکتے کی حالت طاری تھی — کھوئی کھوئی نظروں

سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے — آخر آدھ گھنٹے بعد وُہ کمرے میں داخل ہوئے — کمرہ بہت سُونا سُونا تھا — تھوڑی دیر پہلے اس کمرے میں تنویر شابر زندہ سلامت موجود تھے اور ان سے باتیں کر رہے تھے —

"افسوس!" محمود نے سرد آہ بھری۔

"لیکن — یہ ہوا کیسے؟"

"اس بات پر تو ہمیں حیرت ہے۔"

"مونا! آپ بتائیں — کیا آپ کے والد ہیروئن استعمال کرتے تھے؟"

"ہیروئن — نہیں — بالکل نہیں — اس قسم کی چیز کے تو وہ نزدیک بھی نہیں جاتے تھے۔"

"ہوں! تب پھر — ان کی مَوت اس طرح کیوں واقع ہوئی — جب کہ انھوں نے ہیروئن کی گولی بھی نہیں کھائی۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ انھوں نے ہیروئن کی گولی نہیں کھائی تھی — ہمیں یہاں آتے ہوئے صرف پندرہ منٹ ہی تو ہوئے تھے — کہ وُہ گر گئے — ہو سکتا ہے — ہمارے یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے انھوں

نے گولی کھائی ہو۔"

"ہاں ! اس کا امکان ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ انھیں گولی کسی بہانے کھلائی گئی ہو۔"

"جی نہیں۔ ہمارے ہاں آپ لوگوں کے علاوہ آج کوئی نہیں آیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی نہیں آئے۔" مونا نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے۔ وہ ڈاکٹر جو آج کل ڈیڈی کا علاج کر رہے ہیں۔ وہ بھی تو آج نہیں آئے تھے۔" مونا نے جلدی جلدی کہا۔

"تو آپ کے والد کا علاج ہو رہا ہے آج کل؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہاں ! دل کے مریض تھے۔"

"ڈاکٹر کا نام؟"

"ڈاکٹر جالب تلواری۔"

"بڑا خوف ناک سا نام ہے۔" فاروق نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو کیا وہ کل آئے تھے؟"

"ہاں ! بالکل۔ وہ کل آئے تھے۔"

"تو پھر وہ دوائیں بھی دے گئے ہوں گے؟"

"جی ہاں۔ ایک ہفتے کی دوائیں دے کر گئے تھے۔" مونا نے بتایا۔

"یعنی۔ وہ نسخہ نہیں لکھتے۔ خود دوائیں دیتے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"پہلے وہ نسخہ لکھ کر دیتے تھے اور ابّو بازار سے وہ دوائیں لے لیتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں سے وہ دوائیں اپنے پاس سے دینے لگے تھے۔"

"وہ کیوں؟"

"ان کا کہنا ہے کہ آج کل بازار میں جعلی دواؤں کی بھرمار ہے۔ عام آدمی نہیں پہچان سکتا کہ کون سی دوا جعلی ہے اور کون سی اصلی۔"

"اوہ۔ بات تو ان کی ٹھیک ہے۔ ان کا پتا بھی ذرا بتا دیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے کہ آپ کے والد کو انھوں نے کون کون سی دوائیں دی تھیں۔ کیا خبر ان میں ہی کوئی اس زہر کی گولی موجود ہو۔"

"جی نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ڈاکٹر انکل ایسے آدمی نہیں ہو سکتے۔" مونا نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہوں! ٹھیک ہے — لیکن ان سے مل لینے میں کیا حرج ہے؟"

"کوئی نہیں — وہ شان روڈ پر مل جائیں گے۔"

محمود نے پتا نوٹ کر لیا — کمرے کا جائزہ لیا گیا — انھوں نے دیکھا — کمرے میں چند مکھیاں مری پڑی تھیں اور ان کا رنگ بالکل نیلا ہو گیا تھا — وہ حیران رہ گئے — اسی طرح کمرے میں چند چیونٹیاں مُردہ حالت میں ملیں — وہ بھی نیلی ہو چکی تھیں۔

"آپ کے گھر میں مکھیاں اور چیونٹیاں؟" فرزانہ نے مونا کی طرف دیکھا۔

"چند دن پہلے پائیں باغ والی کھڑکی کی جالی ٹوٹ گئی تھی — اس کی ابھی مرمت نہیں ہو سکی — اس میں سے یہ مکھیاں آ جاتی ہیں۔" مونا نے بتایا۔

"ہوں! کیا خیال ہے — سیٹھ گڈو صاحب — اب ہم چلیں؟"

"ہاں! یہاں ٹھہر کر ہم کیا کریں گے — مل — لیکن مونا اکیلی ہے — مونا — آپ، اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو فون کرنا شروع کریں نا — شہر میں بھی تو آپ کے کچھ عزیز ہوں گے؟"

"ہاں! میں کرتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے — سیٹھ گڈو آپ چلیں — جب تک ان کے عزیز نہیں آ جاتے — ہمارا یہاں سے جانا اچھا نہیں لگتا۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"ہمیں افسوس ہے مونا — شاید یہ ہماری وجہ سے ہوا۔"

"آپ کی وجہ سے کیوں، یہ تو لکھا ہوا تھا۔" اس نے کہا اور پھر رونے لگی —

ایسے میں فرزانہ کو اچانک ایک خیال آیا —

خی خی خی

"تم نے کیا کہا جمشید — تم کالیا کو رہا نہیں کرو گے۔" صدر صاحب نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"جی ہاں سر! یہی بات ہے اور یہ صرف میرا فیصلہ نہیں — آئی جی صاحب، ڈی آئی جی صاحب وغیرہ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔" انھوں نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بولے۔

"آپ ان سے خود پوچھ لیں۔" انھوں نے آئی جی صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں شیخ صاحب؟"

"انسپکٹر جمشید ٹھیک کہہ رہے ہیں سر — ہمیں اپنے ملک کو بچانا ہے — لہٰذا ہم کالیا کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"یہ کیا بات ہوئی — ایک کالیا کو چھوڑنے سے ملک تباہ ہو جائے گا۔"

"جی نہیں — یہ بات نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر جو بات ہے — وہ بتاؤ نا۔" انھوں نے جھلا کر کہا۔

"وہ بات یہ ہے سر — کہ آج ہم ایک کالیا کو چھوڑیں گے — کل نہ جانے ایسے کتنے کالیے چھوڑنا پڑیں گے اور جب یہ تمام کالیے یہ دیکھیں گے کہ ان کا تو کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا، تو پھر یہ ہمارے ملک پر کاری وار کریں گے — ابھی تو انھوں نے بہت ہلکا وار کیا ہے — ذرا سوچیں — صرف ایک آدمی کو ایک گولی کھلائی گئی — اور اس کے نتیجے میں سولہ آدمی مارے گئے — بہت سے بے ہوش ہیں — اور اگر یہ واقعہ کسی جلسۂ عام میں ہو جائے تو کیا ہو گا — اور اگر ایسے واقعات ملک میں ہر روز عام ہونے لگیں تو ملک رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟"

"میں ان باتوں کو نہیں مانتا — تمھیں کالیا کو چھوڑنا ہو گا۔"

"ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں سر — لیکن ایک شرط پر۔"

"میں تمھاری شرط ماننے کا پابند نہیں ہوں — میں اس ملک کا صدر ہوں — اس وقت تک تمھاری تمام

گستاخیاں میں نے سابقہ خدمات کے تحت برداشت کی ہیں اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تم خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو بھی ساتھ لائے ہو — کیا یہ بھی تمھارا ساتھ دیں گے؟

"میں انھیں ایسا کرنے کے لیے نہیں کہوں گا سر — میں چاہوں گا — یہ حضرات بھی اپنے ملک کا ساتھ دیں۔"

"ملک کا ساتھ دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہم تمھارا ساتھ دیں۔" خان رحمان بولے۔

"بالکل!" پروفیسر داؤد بولے۔

"گویا آپ لوگ پہلے ہی تیار ہو کر آئے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔" صدر صاحب بولے۔

"جی ہاں! ہم پوری طرح غور اور فکر کے بعد آئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے جمشید — میں تمھیں اسی وقت معطل کرتا ہوں — تم جا سکتے ہو — اور ہاں، تم دفتر نہیں جاؤ گے — یہیں سے اپنے گھر چلے جاؤ گے، دفتر میں اگر تمھاری کچھ ذاتی چیزیں ہیں تو وہ کسی کے ذریعے منگوا سکتے ہو — شیخ صاحب — اگر آپ کالیا کو رہا کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ جا کر اس کی رہائی کا حکم دے دیں — ورنہ آپ بھی گھر جائیں۔"

"جی بہتر — ہم گھر جا رہے ہیں سر۔"

"او کے۔" صدر صاحب نے کندھے اچکائے۔

وہ اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے — اچانک صدر صاحب بولے:

"ایک منٹ جمشید — میں جانتا ہوں — تم ملک کے بہت خیر خواہ ہو — میں بھی کم خیر خواہ نہیں، لیکن تم میری مجبوریوں کو نہیں جانتے — اچھا چلو — تم وہ شرط تو بتاؤ، جس کی بنیاد پر تم کالیا کو چھوڑ سکتے ہو۔"

"ضرور سر، کیوں نہیں — ہماری شرط یہ ہے کہ آپ صرف یہ بتا دیں کہ کالیا کو رہا کروانے پر کیوں مجبور ہیں — وہ کون سی طاقت ہے — جو آپ کو ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے؟"

"افسوس! میں یہ نہیں بتا سکتا۔"

"تب تو بات وہیں کی وہیں رہی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ سر۔"

وہ ایوانِ صدر سے باہر نکل آئے:

"آپ نے بھی میری وجہ سے ملازمت سے ہاتھ دھو لیا سر۔" انسپکٹر جمشید نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں — ایسی ملازمت کا کیا فائدہ۔" آئی جی صاحب مسکرا دیے۔

"پہلے ہم پروفیسر صاحب کے ہاں چلتے ہیں — اکرام کے ذریعے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ لے لیتے ہیں — تجربہ گاہ میں اس رپورٹ پر کام کریں گے — آپ کا کیا خیال ہے؟" انھوں نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔"

"ہمیں جلد از جلد اس شخص کا سراغ لگانا ہے — ورنہ پورے ملک میں کھلبلی مچ جائے گی — لاکھوں لوگ ملک چھوڑ کر اِدھر اُدھر نکل جائیں گے — ملک بے رونق ہو جائے گا۔"

"ہوں — ٹھیک ہے۔"

تجربہ گاہ آ کر انھوں نے اکرام کو فون کیا:

"السلام علیکم — ادھر بھی ایک واردات ہو گئی ہے۔" اکرام نے چھوٹتے ہی کہا۔

"کہاں کی اڑا رہے ہو؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف کی۔" اکرام بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

اکرام نے ساری تفصیل سنا دی — انسپکٹر جمشید حیرت زدہ

رہ گئے، پھر انھوں نے کہا:

"رشید میاں کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا ہے؟"

"وہ ایک ایسے زہر سے ہلاک ہوا ہے — کہ جس کے بارے میں زہروں کے کسی ماہر کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔"

"ہوں! اور کیا تنویر شابر بھی اسی زہر سے ہلاک ہوا ہے؟"

"ان کا پوسٹ مارٹم ابھی ہو گا — اس کے بعد ہی کچھ کہا جا سکے گا۔"

"ٹھیک ہے اکرام — جلد از جلد یہ پوسٹ مارٹم کرا لو — ورنہ پھر شاید ہم رپورٹ حاصل نہ کر سکیں۔"

"جی کیا مطلب — ہم رپورٹ حاصل نہیں کر سکیں گے، وہ کیوں سر؟"

"مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔"

"اوہ — آئی جی صاحب نے ایسا کیوں کیا؟"

"انھوں نے نہیں — صدر صاحب نے — وہ تو خود نکال دیے گئے ہیں۔"

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

"صدر صاحب کا حکم تھا کہ کالیا کو رہا کر دیا جائے — ہمارا خیال تھا کہ اگر کالیا کو رہا کر دیا گیا تو یہ ملک کے

لیے انتہائی خطرناک ہو گا، لہٰذا ہم نے انکار کر دیا۔"

"جی - آپ نے انکار کر دیا؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں اکرام - بس تم پوسٹ مارٹم کی رپورٹ لے آؤ، باقی باتیں یہیں ہوں گی۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف کے حالات انھیں سنائے - وہ حیران رہ گئے - ابھی اچھی طرح حیران نہیں ہو پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی:

"انسپکٹر جمشید!" دوسری طرف کی آواز سن کر وہ حیران سے ہوئے - کیوں کہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں ہیں -

"ہاں جناب!"

"تم نے ریاض سینما دیکھا ہے؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"جس قدر قوت تم میں ہے - اُدھر بھاگو اور سینما دیکھنے والے ایک ہزار لوگوں کو بتاؤ کہ ہال کے اندر ایک آدمی اس زہر سے مرنے والا ہے - یاد رکھو جمشید - اس وقت کے صرف پانچ منٹ بعد وہ مر جائے گا - اور سینما میں لوگ فلم دیکھنے میں مشغول

ہوں گے - فلم بھی وہاں بہت زبردست، مار دھاڑ اور سنسنی خیز قسم کی چل رہی ہے - لوگ سکرین سے نظریں نہیں ہٹا سکتے تو کسی کے کرسی پر تڑپنے کی انھیں کب خبر ہو گی - ہو گی بھی تو دائیں بائیں یا آگے پیچھے والوں کو - اور جب تک انھیں خطرے کا احساس ہو گا - تب تک ان میں بھگدڑ مچے گی - اس وقت سے پہلے ہی ان میں سے نہ جانے کتنے موت کا لقمہ بن جائیں گے - کیا تم انھیں بچا سکتے ہو - ہرگز نہیں - اس لیے کہ سینما یہاں سے کم از کم آدھ گھنٹے کے راستے پر ہے - تم آندھی اور طوفان کی طرح بھی جاؤ - تب بھی پچیس منٹ سے کم نہیں لگیں گے اور اس وقت تک تو وہاں کھیل ختم ہو چکا ہو گا - اب تم سوچ رہے ہو گے کہ فوراً سینما کے مینجر کو فون کر دو - تم یہ بھی نہیں کر سکتے - سینما کے فون کے تار تو پہلے ہی کاٹ دیے گئے ہیں - لو اب تم اپنی کوشش کرو - میں تو اب تمھاری بے بسی کا تماشہ دیکھوں گا - خی خی خی"

بات ختم کرنے کے بعد وُہ عجیب انداز میں ہنسا، اس قدر عجیب ہنسی انھوں نے پہلے کبھی کسی مجرم کی نہیں سُنی تھی — ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی — چلّا کر بولے :

"تم — تم کیا سمجھتے ہو — یہ موت کا کھیل کھیل کر تم بچ جاؤ گے؟"

"خی خی خی"۔ جواب میں صرف وُہ ہنس دیا۔

انسپکٹر جمشید کے جسم کو جھٹکا سا لگا — وُہ ان کا وقت ضائع کر رہا تھا — فون کے تار صرف سینما کے کاٹے گئے تھے۔ آس پاس کے پولیس اسٹیشنوں کے نہیں۔

انھوں نے فوراً ریسیور رکھ دیا اور پھر فون کرنے کے لیے اٹھایا تو دوسری طرف سے خی خی خی کی آواز سنائی دی — گویا اس نے فون بند نہیں کیا تھا — اور جب تک وُہ فون بند نہ کرتا، وُہ اس طرف سے فون نہیں کر سکتے تھے — لہٰذا وُہ دوڑے دوسرے نمبر کی طرف — اور پھر فون کرنا شروع کیے — لیکن ان کی حیرت کی حد نہ رہی — اس علاقے کے تمام نمبرز ہی خراب ملے — زیادہ فاصلے کے پولیس اسٹیشن کو فون کرنے کا فائدہ نہیں تھا — اور خود وُہ وہاں اس

قدر جلد پہنچ ہی نہیں سکتے تھے — وُہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئے — اور پھر دور دراز کے پولیس اسٹیشنوں کو فون کرنے لگے، لیکن جانتے تھے — اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا — آخر میں انھیں اکرام کا خیال آیا — اکرام بھی اگرچہ سینما سے دُور تھا، لیکن گیس ماسک والوں کو لے کر وہاں پہنچ ہی سکتا تھا۔

"ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے — کچھ نہیں"۔ انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اس طرح تو جمشید — وُہ کسی بھی جگہ تباہی مچا سکتا ہے، اور کرنا اسے صرف اتنا ہے کہ ایک آدمی کو اس جگہ بھیج دے — جہاں تباہی مچانا ہے — اور وہ آدمی وہاں جا کر اس زہر کی گولی کو ہیروئن سمجھ کر کھا لے یا جو بھی اس کا طریقۂ کار ہے"۔

"اُف مالک"۔ پروفیسر داؤد نے کانپ کر کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر بعد ہم سینما میں مرنے والوں کی تعداد سُن لیں گے"۔ خان رحمان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"آخر یہ شخص چاہتا کیا ہے؟"

"مُلک میں بد امنی پھیلانا — لوگوں میں یہ احساس

جگانا کہ موجودہ حکومت بُری طرح ناکام ہو چکی ہے — اس حکومت کا تختہ اُلٹ دو — ہو سکتا ہے ...“ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

”ہو سکتا ہے کیا جمشید؟“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

”ہو سکتا ہے — پورے ملک میں ایسے اَن گنت واقعات کرانے کے بعد وُہ اعلان کرے کہ اس حکومت کا تختہ اُلٹ دو — نہیں تو ہر آبادی میں لوگ اسی طرح مرنے لگیں گے۔“

”اوہ — اوہ“ وُہ دھک سے رہ گئے۔

”تب پھر یہ کام حکومت کی مخالف سیاسی جماعت کے کسی لیڈر کا ہو سکتا ہے؟“

”یہ کام جس کا بھی ہے — وُہ ملک کا وفادار یا ہمدرد ہرگز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح تبدیلی لانے والا ملک کو تباہی کی طرف دھکیل رہا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے جذباتی انداز میں کہا۔

”ہُوں — سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں؟“ آئی جی صاحب بولے۔

”یہی ہمارا مسئلہ ہے — صدر صاحب نے تو ہمارے ہاتھ پیر باندھ دیے ہیں۔“

”وُہ بھی دراصل مجبور ہیں۔“ آئی جی صاحب بولے۔

”سر! ہم اس مجبوری کو نہیں مانتے۔“

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی — جُونہی انسپکٹر جمشید نے ریسیور اُٹھایا، ان کا رنگ اُڑ گیا —

موت کا سبب

"مونا — مونا — صبر کرو — اور ہمیں ایک بات بتاؤ۔" فرزانہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"گ — کیا؟" وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تمہیں یاد ہو گا — سٹور روم میں ہم نے ایک گھوڑا دیکھا تھا — ہم نے اسے اٹھا لیا تھا — پھر آپ کے ڈیڈی آ گئے تھے اور انھوں نے گھوڑا ہم سے لے لیا تھا — کیا آپ بتا سکتی ہیں — وہ گھوڑا انھوں نے کہاں رکھا ہے؟"

"ن — نہیں — اس کے بعد میں نے اس گھوڑے کو نہیں دیکھا۔"

"تب پھر ہمیں اجازت دیں — ذرا ہم اس گھوڑے کو تلاش کر لیں۔"

"ضرور کر لیں — لیکن آپ اس کا کیا کریں گے؟"

"اس میں ضرور کوئی بات ہے — ہو سکتا ہے — وہ گھوڑا ہی آپ کے والد کی موت کا سبب بنا ہو۔" محمود نے کہا۔

"جی — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — بھلا وہ گھوڑا اور میرے والد کی موت کا سبب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ عین ممکن ہے۔"

"تو پھر تلاش کر لیں — اور باہر پھینک دیں اس کو۔" مونا نے کہا —

"شکریہ! ہم اس کو باہر نہیں پھینکیں گے — بلکہ یہ معلوم کریں گے کہ وہ ہے کیا۔"

"بھئی وہ صرف لکڑی کا بنا ہوا ایک گھوڑا ہے — ہاں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت ہی کاری گری سے بنایا گیا ہے۔"

"خیر — آؤ بھئی۔"

انھوں نے پورے گھر میں گھوڑے کو تلاش کیا، لیکن گھوڑا کہیں نظر نہ آیا:

"اب صرف وہ الماری رہ گئی ہے — جو تنویر شاہد کے کمرے میں ہے — اور اس پر نمبروں والا تالا لگا ہوا ہے — مونا کو ضرور نمبر معلوم ہوں گے۔"

تینوں مونا کے پاس آئے:

"آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ پورے گھر میں گھوڑا کہیں نہیں ملا۔"

"ہُوں! کیا کہا۔ گھوڑا کہیں نہیں ملا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ڈیڈی تو اس وقت سے کہیں باہر گئے ہی نہیں۔" مونا بولی۔

"لیکن کوئی ان سے ملنے تو آیا ہو گا؟"

"آپ لوگ ہی اس ہوٹل کے مالک کو لے کر آئے تھے۔" مونا نے کہا۔

"لیکن وُہ بھی یہاں سے گھوڑا لے کر نہیں گیا۔"

"تب پھر وُہ کہاں گیا؟"

"ہم ابھی ایک الماری نہیں دیکھ سکے۔ اس پر نمبروں والا تالا لگا ہوا ہے۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"اوہ ہاں! لیکن۔ وہ گھوڑا اس الماری میں نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا۔

"کیوں؟" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"اس لیے کہ اس الماری میں ڈیڈی اپنی انتہائی ضروری چیزیں رکھتے ہیں۔ اور وُہ گھوڑا اگر انتہائی اہم چیز ہوتا تو کبھی اسے سٹور روم میں نہ پڑا رہنے دیتے، پہلے ہی الماری میں رکھ دیتے۔"

"آپ کی بات معقول ہے مونا، لیکن کبھی کبھی بہت اہم چیزوں کی حفاظت اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ اس کو بالکل غیر اہم جگہ پر یا غیر اہم چیزوں میں شامل کر دیا جاتا ہے۔"

"تو آپ وُہ الماری کھول کر دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں بالکل۔"

"افسوس! میں اس کے نمبر نہیں جانتی۔ نہ میں نے کبھی ڈیڈی سے پُوچھے۔ نہ انھوں نے بتائے۔ اس کے لیے آپ کو ان کی نوٹ بُک دیکھنا ہو گی۔ اس میں وُہ تمام ضروری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ نوٹ بُک کہاں ہے؟"

"ساتھ والی الماری میں۔"

وُہ پھر تنویر شابر کے کمرے میں آئے اور الماری میں دیکھا۔ وہاں نوٹ بُک بھی موجود تھی اور ڈائری بھی۔ انھوں نے ان دونوں کو بغور دیکھا، لیکن الماری کے تالے کے نمبر ان میں کہیں نہ ملے:

"اب تو۔ یہ تالا توڑنا ہی پڑے گا۔"

"مونا سے اجازت لے کر۔" فرزانہ نے کہا اور اس کی طرف چلی گئی۔ جلد ہی واپس آئی اور بولی:

"اسے کوئی اعتراض نہیں۔"

انھوں نے تالا توڑ دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ اگرچہ انھیں اُمید تھی کہ گھوڑا اندر ہو گا۔ اور وہ وہاں تھا۔ لیکن انھیں حیرت الماری کو دیکھ کر ہوئی، الماری جدید آلات سے سجی ہوئی تھی۔ نہ جانے اس میں کیا کچھ تھا۔ یہ آلات خُفیہ قسم کے تھے اور صرف جاسوسی کاموں میں استعمال ہوتے تھے۔

"فرزانہ۔ ذرا تم مونا کو یہیں لے آؤ۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔"

جُونہی مونا اندر آئی۔ اور الماری کو دیکھا۔ سکتے میں رہ گئی۔

"یہ۔ یہ کیا۔ گھوڑا تو یہاں ہی ہے۔ یہ دوسری چیزیں کیا ہیں؟"

"جب آپ کے ڈیڈی نے دیکھا کہ ہم گھوڑے کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں تو..."

"کیا کہا۔ شک کی نظروں سے؟" مونا حیران رہ گئی۔

"ہاں! ہم واقعی اس کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ اس بات کو بھانپ نہ سکیں، جب کہ آپ کے

ڈیڈی نے فوراً یہ بات محسوس کر لی تھی۔ اسی لیے انھوں نے گھوڑا ہمارے ہاتھ سے اچک لیا تھا۔ ان کے اچکنے کا انداز بتا رہا تھا کہ گھوڑا ضرور بہت اہم ہے۔ اور پھر انھوں نے اس کو واپس سٹور میں نہیں رکھا۔ بلکہ یہاں رکھ دیا۔"

"لیکن یہ دُوسری چیزیں کیا ہیں۔ میں تو انھیں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

"یہ سائنسی آلات ہیں، جاسوسی کے آلات۔"

"جاسوسی کے آلات۔ لیکن میرے ڈیڈی جاسوس نہیں، ایک کاروباری آدمی تھے۔ سیٹھ گڈو کہتے تھے لوگ انھیں۔" مونا نے کہا۔

"ہاں! لوگوں کے لیے وہ سیٹھ گڈو تھے۔ لیکن۔ ان کی زندگی کا دوسرا رُخ یہ تھا۔ وہ کسی کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ اس شہر میں کسی اور گھر میں بالکل ایسی ایک الماری اور ہے۔ اور جس گھر میں ایسی الماری اور ہے۔ شاید اس گھر کا مالک ہی ہمارا مجرم ہے۔ اس سارے کیس کا مجرم۔ یہ جو شہر میں اس وقت ہو رہا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ آپ تو میرے والد کو سازشی

ثابت کیے دیے رہے ہیں — وہ بھی اس وقت جب کہ ان کی لاش ..."

اس نے کہا اور ایک بار پھر رونے لگی —

"دیکھیے — آپ محسوس نہ کریں — اور حقیقت کا سامنا کرنے کی خود میں ہمت پیدا کریں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"اب اس گھوڑے کو لیجیے — آپ کے خیال میں یہ صرف ایک گھوڑا ہے — لکڑی کا کھلونا — لیکن ابھی ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔"

"یہ — کیا ہے؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"پہلے آپ بتائیں — کیا آپ کے ڈیڈی کبھی کبھی سٹور میں جاتے تھے؟"

"ہاں! جاتے تو رہتے تھے۔"

"آپ نے کبھی ان سے پوچھا — وہ سٹور روم میں کیا کرنے گئے تھے؟"

"عام طور پر میں ان کی مصروفیات میں ٹانگ نہیں اڑاتی تھی — ایک دو بار پوچھا تو انھوں نے بس اتنا کہا کہ ایک چیز کی تلاش میں گیا تھا۔"

"چلو محمود — انھیں دکھاؤ — یہ گھوڑا کیا ہے۔"

محمود نے گھوڑا اُٹھا لیا — چند سیکنڈ تک اسے دیکھتا رہا، پھر اس پر زور لگایا — اچانک وہ درمیان سے کھل گیا —

"ارے — یہ — یہ کیا؟"

مونا کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں — اس کے اندر مشینری فٹ تھی:

"یہ — یہ آخر کیا ہے؟"

"ٹرانسمیٹر — پیغام یہاں سے کسی خاص جگہ پہنچانے کا آلہ — اس کے ذریعے آپ کے ڈیڈی یا تو کہیں سے پیغامات وصول کرتے تھے یا خود اسے پیغام دیتے تھے۔"

"اُف مالک — یہ — یہ سب کیا ہے؟"

اُسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی:

"شاید میرے انکل آ گئے — اور دُوسرے عزیز بھی۔"

مونا نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی — محمود نے گھوڑا اسی طرح بند کر دیا —

مونا کے رشتے دار واقعی آ گئے تھے — اب وہ وہاں سے باہر نکلے اور چلتے وقت گھوڑا اپنے پاس رکھنے کی اجازت مونا سے لے لی —

"اب ہمیں فوراً پروفیسر انکل کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔"

فرزانہ نے کہا۔

"پہلے یہ معلوم کر لیں — وہ ہیں کہاں — شہر میں ویسے ہی ہل چل مچی ہوئی ہے۔"

یہ کہہ کر محمود نے پروفیسر داؤد کے نمبر ملائے — معلوم ہوا — وہ تو ان کے ہاں پہنچے ہوئے ہیں۔

"بس ٹھیک ہے — وہ تو ہمارے ہی گھر ملیں گے۔"

"ملیں گے تو تب نا — جب ابّا جان انھیں لے کر کہیں گئے ہوئے نہ ہوں۔"

"تو آ جائیں گے۔" فاروق بولا۔

"شاید تمھیں بہت بھوک لگی ہے۔"

"بھوک — وہ تو واقعی لگی ہوئی ہے — ارے — بے چاری مونا — اس کا کیا بنے گا؟"

"ان لوگوں کے لیے بھی کھانا بھجواتے ہیں — امّی جان چند منٹ میں کھانا تیار کر دیں گی۔"

محمود نے گاڑی پوری رفتار پر چھوڑ دی، لیکن اسے جلد ہی بریک لگانا پڑے — بیچ سڑک ایک ٹرک اڑا کھڑا تھا — اور نکل جانے کی جگہ نہیں تھی — نزدیک پہنچ کر انھوں نے دیکھا — دو آدمی اسے دھکّا لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اے بھائی صاحب — یہ آپ کیا کر رہے ہیں — پوری سڑک روک ڈالی ہے۔"

"خخ — خراب ہو گیا ہے — ہم دو آدمی اسے دھکیل بھی تو نہیں سکتے — آپ آئیے نا — ذرا ہماری مدد کیجیے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اب تو یہی کرنا ہو گا۔"

وہ کار سے نیچے اُتر آئے — اور ان کے ساتھ مل کر زور لگانے لگے — آہستہ آہستہ ٹرک رینگنے لگا۔

"شاباش — کام بن جائے گا — پورا زور لگائیں۔"

"لیکن پھر ہمارے پاس کیا بچے گا۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"کک — کیا مطلب؟"

"اگر پورا زور یہاں لگا دیا تو — ختم نہیں ہو جائے گا۔" فاروق نے کہا۔

دونوں ہنسنے لگے۔

"آپ بہت خوش مزاج لگتے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"پتا نہیں — یہ دونوں تو کچھ اور کہتے ہیں۔" فاروق نے محمود اور فرزانہ کی طرف دیکھا۔

"بھئی زور لگاؤ — باتیں کرنے سے زور کم لگتا ہے۔"

"اوہ ہاں — یہ بھی ٹھیک ہے۔"

آخر انھوں نے اور زور لگایا — ٹرک آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے جا لگا —

"بہت بہت شکریہ دوستو۔"

اب وہ پھر اپنی کار میں بیٹھے اور آگے روانہ ہوئے —

چند منٹ بعد اچانک فرزانہ چلّائی:

"ارے — وہ گھوڑا — گاڑی میں نہیں ہے۔"

کون سا نقطہ

"اکرام کا فون تھا — سینما کے باہر لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی ہیں — جب تک دروازے کھلتے — بہت سے تو اندر ہی دم توڑ گئے — اور جو باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے — وہ بھی ڈھیر ہو گئے — ان میں سے شاید ہی چند آدمی بچے ہوں گے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اُف مالک — یہ کس قدر خوف ناک ہے۔" خان رحمان نے کانپ کر کہا۔

"جمشید — اس سارے خوف ناک پن کو روکنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے — اور وہ یہ کہ اصل آدمی کو گرفتار کر لیا جائے۔"

"میں اور یہ نہ چاہوں گا — میں تو چاہتا ہوں — اسے ایک لمحے کی بھی مہلت نہ دی، لیکن انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" انھوں نے سرد آہ بھری۔

" سینما والا واقعہ سارے شہر کو ہلا کر رکھ دے گا — سارے شہر کی پولیس بھی کچھ نہیں کر سکے گی۔" خان رحمان نے کہا۔

" اکرام ابھی تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ لے کر بھی نہیں پہنچا۔"

" اس نے فون پر بتایا ہے کہ وُہ آ رہا ہے۔"

" بشرطیکہ اسے آنے دیا گیا ، میرا خیال ہے — اب تک ہماری معطلی کے احکامات بھجوائے جا چکے ہوں گے۔" آئی جی صاحب بولے۔

" اکرام نے تو ذکر نہیں کیا سر — خیر ہمیں اس سے کیا ، ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔"

جلد ہی اکرام وہاں پہنچ گیا — اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے :

" پورے شہر پر خوف طاری ہو چکا ہے — ہر شخص یہ خیال کرنے لگا ہے کہ ابھی کوئی تڑ سے اس کے پاس گرے گا اور ساتھ میں وُہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

" اللہ اپنا رحم فرمائے — پہلے تم رپورٹ کے بارے میں بتاؤ۔"

" اموات زہر سے ہوئی ہیں ، لیکن کس زہر سے ، یہ

معلوم نہیں ہو سکا — یہ بات بھی معلوم نہیں ہوئی کہ دوسرے آدمیوں تک زہر کا اثر کس طرح پھیل جاتا ہے۔"

" ہوں ! شہر کی کیا خبریں ہیں ؟"

" ابھی ابھی تمام پولیس اسٹیشنوں کو یہ اطلاع بھجوائی گئی ہے کہ آپ لوگوں کو معطل کر دیا گیا ہے اور یہ کہ آپ لوگوں کی کوئی کسی قسم کی مدد نہ کی جائے — بلکہ اگر آپ ذرا بھی کوئی غیر قانونی کام کریں تو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔"

" یہ تو ہونا ہی تھا — پھر تم کس طرح چلے آئے ؟"

" یہاں آنے کے جرم میں مجھے زیادہ سے زیادہ ملازمت سے نکال دیا جائے گا — مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ، بلکہ میں تو آپ سے اجازت لے کر استعفیٰ دینے والا ہوں"۔ اکرام نے کہا۔

" نہیں بھئی — تم ایسا نہیں کرو گے — اس لیے کہ تم ہمارے لیے اس حالت میں زیادہ مفید ہو — ملک اس وقت شدید خطرے میں ہے — اور ہمیں اپنے ملک کو بچانا ہے ، جب کہ باقی لوگ توڑنے والوں کا ساتھ دے رہے ہیں — یہاں تک کہ صدر صاحب بھی۔"

" جی — صدر صاحب بھی — یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"اس طرح کہ انھیں معلوم نہیں — کیا سازش ہو رہی ہے — وُہ بڑی طاقتوں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور خیال کر رہے ہیں کہ یہ بڑی طاقتیں ان کے اقتدار کو بچا لیں گی — جب کہ بات اس کے بالکل الٹ ہے، بڑی طاقتیں ہمارے ملک کو پارہ پارہ کر دینا چاہتی ہیں۔ اب کل کا اخبار دیکھنے والا ہو گا — سینما والی خبر جب پورے مُلک میں پہنچے گی تو لوگ کس حد تک خوف کا شکار نہیں ہو جائیں گے۔"

"میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ فوراً محمود، فارُوق اور فرزانہ سے رابطہ قائم کریں — ان کے پاس کچھ معلومات ہیں — ان کے سہارے آپ تفتیش کر کے ضرور مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔" اکرام نے کہا۔

"ہاں! اب میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں — یہ زہر تو ہماری سمجھ میں آئے گا نہیں — لہٰذا پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا — کیا خیال ہے پروفیسر صاحب؟"

"مَیں تو پہلے ہی یہ بات سوچ چکا ہُوں۔" وُہ مُسکرائے۔

"ایک منٹ — پہلے میں فون کر لوں — وُہ گھر تو نہیں پہنچے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تک وُہ تنویر شاہر کے ہاں تھے۔"

"وہاں بھی معلوم کر لیتے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے گھر کے نمبر ملائے:

"ہیلو بیگم — یہ تینوں گھر آ چکے ہیں یا نہیں؟"

"ابھی تک تو آئے نہیں — میں ان کے بارے میں بہت فکر مند ہوں، کیونکہ حالات حد درجے پُراسرار ہیں۔"

"حالات بے چارے تو ہمارے لیے ہمیشہ ہی پُراسرار ہوتے ہیں — اس میں ان کا کیا قصور۔"

"آپ نے سینما والی بات سُن لی؟"

"ہاں! سُن چکا ہوں — ابھی ایسی نہ جانے ہم کتنی خبریں سُنیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"آپ کہاں ہیں — میں ان کے آنے پر فون کر دوں گی۔" بیگم جمشید بولیں۔

"نہیں — ہم بھی گھر آ رہے ہیں — انھیں روکے رکھنا۔"

"جی بہتر!" وُہ بولیں۔

سلسلہ کاٹ کر انھوں نے تنویر شاہر کے نمبر ملائے — نمبر انھیں ٹیلی فون ایکس چینج سے معلوم کرنا پڑے تھے، ادھر سے انھیں مونا نے بتایا کہ وہ وہاں سے رخصت ہو چکے ہیں —

اُنھوں نے ریسیور رکھ دیا اور بولے :

"وُہ بس — پہنچنے ہی والے ہیں گھر — آئیے چلیں — اکرام تم اپنی ڈیوٹی پر جاؤ — اور ہاں، کالیا کو رہا کیا جائے گا اب — اس کا تعاقب تین سادہ لباس والے کریں — یہ بہت ضروری ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں — میں اس کے لیے چار آدمی پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں اور وُہ اس تھانے کے باہر موجود ہیں، جس میں کالیا بند ہے۔"

"بہت خوب! پہلی بات تو یہ کہ وُہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے — دوسری بات یہ کہ اسے تعاقب کا شُبہ نہ ہو سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں — ضرورت پڑی تو یہ کام میں خود کروں گا۔"

"نہیں اکرام — تم ہمارے لیے اعلانیہ طور پر کوئی کام نہیں کرو گے۔"

"او کے سر۔" اکرام نے کہا اور چلا گیا۔

اب وُہ گھر پہنچے، لیکن محمود، فارُوق اور فرزانہ ابھی تک وہاں نہیں آئے تھے:

"حیرت ہے — انھیں اتنی دیر تو نہیں لگنی چاہیے تھی۔"

انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس کا مطلب ہے — وہ الجھ گئے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"یہی ہو سکتا ہے۔" انھوں نے کہا اور سوچ میں ڈوب گئے، پھر انھوں نے مونا کو فون کیا:

"السلامُ علیکم بھئی — انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں — وُہ یہاں سے کن حالات میں رخصت ہوئے تھے — کیا انھیں کوئی خاص چیز ملی تھی یہاں سے؟"

"خیر تو ہے انکل۔"

"وُہ ابھی تک گھر نہیں پہنچے۔"

"اوہ — یہاں سے تو وُہ کافی دیر پہلے چلے گئے تھے۔" مونا نے کہا۔

"کیا یہاں کوئی اور بھی خاص بات پیش آئی تھی؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خاص بات — میں کہ نہیں سکتی — ایک گھوڑے کا معاملہ پیش آیا تو تھا۔"

"گھوڑے کا معاملہ — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ — انکل آپ یہیں آ جائیں — میں سب باتیں آپ کو بتانا چاہتی ہوں — ویسے بھی میں خوف

محسوس کر رہی ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔" انھوں نے کہا، پھر ریسیور رکھ کر مونا کی خواہش کے بارے میں بتایا اور بولے:

"میرا خیال ہے۔ سر آپ اور پروفیسر صاحب یہیں آرام کریں۔"

"لیکن ہم آپ کے ساتھ کیوں نہ چلیں۔" آئی جی صاحب بولے۔

"یہ اچھا نہیں لگتا سر۔ آپ آرام کر لیں۔ ضرورت پڑی تو ہم آپ کی خدمات حاصل کریں گے۔"

"جمشید۔ آخر ہم صدر صاحب کو کس طرح سمجھائیں گے؟" آئی جی صاحب نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ وقت پر انھیں سمجھانے کی ضرورت تک پیش نہیں آئے گی۔ وہ سب کچھ خود سمجھ جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اب انھوں نے خان رحمان کو ساتھ لیا اور مونا کے گھر پہنچے۔ مونا نے انھیں شروع سے آخر تک ساری تفصیل کہ سنائی۔ انسپکٹر جمشید غور سے سنتے رہے۔ آخر بولے:

"اس کا مطلب ہے۔ انھیں اس گھوڑے کی وجہ

سے کسی چکر میں پھانسا گیا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ آپ کے والد ضرور ان لوگوں کے لیے کام کرتے تھے۔ جو ان اموات کا سبب بن رہے ہیں، کیونکہ ان کی موت بھی بالکل اسی انداز میں ہوئی ہے۔"

"جج۔ جی۔ یہ خیالات فرزانہ بھی ظاہر کر چکی ہیں۔" اس نے کہا۔

"اوہو۔" اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"کیا ہوا جمشید؟" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ تنویر شاہد، ہیروئن استعمال نہیں کرتے تھے۔ کیوں مونا۔ کبھی آپ نے انھیں نشے میں محسوس کیا؟"

"جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔" اس نے کہا۔

"تب پھر آپ کے ڈیڈی نے وہ زہر کس طرح استعمال کر لیا؟"

"جی۔ زہر۔ کیا مطلب؟"

"ہاں! ان کی موت ایک خاص قسم کے زہر سے ہوئی ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ ہکلائی۔

"اچھا — کمال ہے — انھوں نے تو ایسی کوئی چیز نہیں کھائی۔"

"یہی دیکھنا ہے — آپ فکر نہ کریں — یہ معلوم کرنا ہمارا کام ہے۔"

انسپکٹر جمشید خان رحمان کے ساتھ وہاں سے رُخصت ہوئے تو گہری سوچ میں گم تھے۔

"معلوم ہوتا ہے — کسی گہری اُلجھن میں ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں! یہ کیس مجھے ہلائے ڈال رہا ہے — اوپر سے محمود، فارُوق اور فرزانہ غائب ہیں — اب ہم انھیں کہاں ڈھونڈیں۔"

"انھیں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں — ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"بالکل ٹھیک — لیکن کون سا کام — مجھے تو دُور دُور تک کوئی کام — اوہو — واقعی — یہ نقطہ تو میں بھول ہی گیا۔"

"کک — کون سا نقطہ؟"

"بلکہ ایک نقطہ نہیں، دو نقطے۔"

"چلو — اب دو نقطے مل گئے۔" خان رحمان مُسکرائے۔

"بھئی نقطوں کا کیا ہے — یہ تو ملتے ہی رہتے ہیں — ایک منٹ ٹھہرو خان رحمان — میں ابھی آیا۔"

انھوں نے کار روک دی اور سامنے ایک فون بوتھ میں چلے گئے — فون کر کے واپس آئے تو خان رحمان نے حیران ہو کر کہا:

"کار میں لگے فون سے بھی تو فون کر سکتے ہیں جمشید۔"

"تم سے ایک بات چھپانا ہے۔"

"اوہ اچھا — مجھے سسپنس میں مبتلا کرنے کا پروگرام ہے۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! ایک نقطے کے سلسلے میں تو مَیں نے فون کر دیا، اب دوسرے نقطے کی بات تم سے کرتا ہوں۔"

"کیوں! کیا دُوسرا نقطہ چھپانے کے قابل نہیں؟"

"نہیں — میں نے مجرم کی ہنسی کی آواز سنی تھی — میں سوچ رہا ہوں — وُہ اپنی عام زندگی میں بھی تو اسی انداز میں ہنستا ہو گا — آؤ — میں اور تم ایک جگہ چلتے ہیں — میرا خیال ہے، وہ وہاں ضرور آتا ہو گا۔"

"اس کا مطلب ہے — تم مجرم کے بارے میں کسی حد تک اندازہ لگا چکے ہو۔"

"ہاں! لیکن ہو سکتا ہے — اندازہ بالکل غلط ہو — اور

اس بار بالکل غلط ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ درست ہونے کے امکانات بہت ہی کم ہیں۔"

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ چلو۔ کہاں چلنا ہے۔"

اور انھوں نے کار آگے بڑھا دی۔ ان کے چہرے پر بہت جوش نظر آ رہا تھا۔

کیا کہتے ہیں

"ارے باپ رے۔ تو وہ ٹرک والے دشمن کے آدمی تھے اور یہ چال گھوڑا اڑا لے جانے کی تھی۔"

"ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تب پھر ٹرک کو پکڑنا کیا مشکل ہے۔ آؤ۔"

محمود نے کار موڑ لی۔ آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتے وہ اس جگہ سے آگے گزر گئے۔ جہاں انھوں نے ٹرک کو دھکّا لگایا تھا۔ وہاں اب کوئی ٹرک نہیں تھا۔ محمود تیز رفتاری کا ریکارڈ توڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ فارُوق اور فرزانہ کو ڈر لگنے لگا۔ فارُوق سے تو چُپ رہا نہ گیا:

"بھئی اس قدر تیز رفتاری کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

"اگر وہ ٹرک ہمیں نہ ملا تو بہت بے عزتی ہو گی۔" محمود نے جھلّا کر کہا۔

"وُہ تو خیر ہو گی ، لیکن ایکسیڈنٹ ہونے سے وہ بے عزتی بہتر رہے گی۔" فارُوق مسکرایا۔

"کیا بات کرتے ہو۔ بے عزتی سے کہیں بہتر ہے ایکسیڈنٹ۔" محمود بولا۔

"تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"کیا مطلب — اس بات کا خیال تمھیں آج اور اس وقت کیسے آ گیا؟" فارُوق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں ! یہ بات تو تمھیں پہلے سے معلوم ہونی چاہیے تھی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"مطلب یہ کہ نہ ایکسیڈنٹ بہتر ہے نہ بے عزتی — یہ جاسوسی چالیں ہیں — ایسا ہو ہی جاتا ہے — کیا ابّا جان کو کبھی دشمن کے ہاتھوں چوٹ نہیں ہو جاتی؟"

"بالکل ہو جاتی ہے۔"

"تو پھر — کیا وُہ اس میں اپنی کوئی بے عزتی محسوس کرتے ہیں؟"

"نہیں تو — نہ ہم ان کی بے عزتی محسوس کرتے ہیں۔"

"تو پھر بے عزتی اور ایکسیڈنٹ کی بات چھوڑو اور یہ سوچو — کہ ٹرک اس قدر جلد غائب کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"صرف اس طرح کہ ٹرک کو وہیں سڑک سے اُتار کر درختوں کے درمیان چھپا دیا گیا ہو۔" محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں ! ضرور یہی بات ہے — اور دوسری یہ کہ ٹرک میں کوئی خرابی تو تھی نہیں — وہ تو ہمیں جھانسہ دینے کا بہانا تھا۔"

"خیر — ان کے جھانسے میں تو ہم آ گئے۔"

"آؤ — وہیں چلتے ہیں — آس پاس کے درختوں کے درمیان دیکھیں گے۔"

"اور میں تو کہتا ہوں — ہمیں آخر اس گھوڑے کا کیا کرنا ہے — یہ بات تو ہم معلوم کر ہی چکے ہیں کہ وہ ایک ٹرانسمیٹر ہے — زیادہ فاصلے کے پیغامات وصول کرنے والا۔"

"ایسی چیزیں اگر کام کی نہ ہوں تو دشمن کو اڑانے کے لیے پاپڑ نہ بیلنے پڑیں — انھوں نے پاپڑ بیلے یا نہیں؟"

"بھئی تمھارا دل پاپڑ کھانے کو تو نہیں چاہ رہا۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلّا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

آخر وہ واپس آئے — کافی دیر تک ٹرک کی تلاش میں اِدھر اُدھر سرگرداں رہے اور پھر تھک کر واپسی کی سوچی ، لیکن ایسے میں درختوں کے درمیان انھیں ٹائروں

کے نشانات نظر آ گئے۔ وُہ حیرت زدہ رہ گئے:

" یہ رہے ٹائروں کے نشانات۔ اور یہ ضرور اسی ٹرک کے ہیں۔"

" پھر تو مار لیا میدان۔ ہم ان کے ساتھ ساتھ آگے چلتے ہیں۔"

" میدان مارنا اتنا آسان نظر نہیں آ رہا۔ بھئی دوسری طرف بھی تو کوئی سڑک ہو سکتی ہے۔ ٹرک اگر اس سڑک پر نکل کر نو دو گیارہ ہو گیا تو میدان کس طرح مار لیا جائے گا۔" فاروق بولا۔

" اچھا بابا۔ نہیں مارتے ہم میدان۔ دیکھنا تو پڑے گا۔" فرزانہ نے جھلّا کر کہا۔

آخر وُہ ان نشانات کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ آدھ گھنٹے تک اونچی نیچی جگہ پر چلتے رہنے کے بعد انھیں ایک سڑک نظر آئی۔ اب وُہ حیران تھے کہ سڑک کے دائیں طرف جائیں یا بائیں طرف:

"کیوں بھئی۔ اب کیا کہتے ہو؟" محمود مسکرایا۔

" ٹاس کر لیتے ہیں۔" فاروق بولا۔

" دائیں طرف چلتے ہیں۔"

" ویسے اب ٹرک کے ملنے کے امکانات نہیں ہیں۔

کیوں نہ ہم گھر چل کر اپنا تھوڑا سا مذاق اڑوا لیں۔" فرزانہ نے کہا۔

" یہ پروگرام بھی بُرا نہیں۔ بہت دن ہو گئے مذاق اڑوائے۔ مذاق بے چارہ بھی کیا سوچتا ہو گا۔" فارُوق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

" کیا سوچتا ہو گا۔ تم بھی عجیب ہو۔ بھلا مذاق بھی کچھ سوچ سکتا ہے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

" ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا میری بہن۔" فارُوق نے سرد آہ بھری۔

" خیر تو ہے۔ بہت اداس ہو۔ سرد آہیں بھی بھر رہے ہو۔"

" رہ رہ کر گھوڑا یاد آ رہا ہے۔ کتنا خوب صورت تھا۔" اس نے کہا۔

" لیکن رہ رہ کر کیوں، جا جا کر کیوں نہیں؟" محمود نے پوچھا۔

" یہ محاورات کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم اس میں ٹانگ اڑانے والے کون ہیں۔"

" کہنے کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ محمود، فارُوق اور فرزانہ ہیں۔" محمود بولا۔

" چلو گھر چلیں۔ گھر یاد آ رہا ہے۔ یُوں لگتا ہے

جیسے مدت گزر گئی ہو — وہ ایک شعر ہے نا۔"

" لو — اب انھیں شعر بھی یاد آ گیا۔"

" سُن لو — کیا حرج ہے — اگر کسی اچھے شاعر کا خوبصورت شعر مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے۔"

" خیر — سُناؤ بھئی — کیا شعر ہے وہ؟"

" اب تک تو وہ ذہن سے پھسل بھی گیا — تمھیں درمیان میں باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے جل کر کہا۔

" چلو پھر کبھی سُن لیں گے — کبھی نہ کبھی تو وہ یاد آ ہی جائے گا۔"

" ارے نہیں — ٹھہرو — میں دماغ کے جھولے میں سے ابھی اسے تلاش کر کے باہر نکالتا ہوں۔" فارُوق نے جلدی جلدی کہا —

" دماغ نہ ہوا — تمھاری جیب ہو گئی۔"

" بھئی — دماغ سے میری جیب تک پہنچ گئے — اسے کہتے ہیں — پتا نہیں — اسے کیا کہتے ہیں — اچھا ذرا بتانا اسے کیا کہتے ہیں؟" فارُوق جلدی جلدی بولا۔

" تمھارا سر۔" فرزانہ نے جھلّا کر کہا۔

" ہاں! یاد آیا — میرا سر کہتے ہیں — لیکن کس کو میرا سر کہتے ہیں؟"

" اب تم سے کون مغز مارے؟"

" کار میں تو اس وقت تم دونوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے — لہٰذا تم ہی مارو گے — فرشتے تو اس غرض کے لیے آنے سے رہے۔"

" یار تم تھوڑی دیر کے لیے چُپ نہیں رہ سکتے۔"

" پہلے بتانا تھا۔" فاروق بولا۔

" کیا پہلے بتانا تھا؟"

" چُپ رہنے والی بات۔"

" تو اب کیا ہو گیا۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

" اب تو میری زبان نے سٹارٹ لے لیا ہے نا۔"

" حد ہو گئی۔" فرزانہ جل گئی۔

" رسی جل گئی، پر بل نہ گیا۔" فارُوق بڑبڑایا۔

" یہ محاورہ یا ضرب المثل جو بھی ہے — اس موقع پر تم نے کیوں کہا؟"

" بس ایسے ہی — تمھیں جلتے بھنتے دیکھ کر یاد آ گیا — اس میں اس بے چارے کا کیا قصور۔" فاروق بولا۔

" کک — کس بے چارے کا؟"

" محاورے کا اور کس کا۔"

" دماغ دکھنے لگا ہے — اور میں اس بارے میں کچھ

سوچنا چاہتی تھی۔" فرزانہ نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔

" اوہو۔ یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب پہلے تمھارے دماغ کا علاج کرانا پڑے گا۔"

" اُف ۔ اب تو کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔"

" لل ۔ لیکن ۔ میں تو یہ بھی نہیں کر سکتا ، کیونکہ کار چلا رہا ہوں۔"

" تو کار میں چلا لیتا ہوں ۔ تم کانوں میں انگلیاں شوق سے ٹھونس لو۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

" آخر ہم اتنے شوخ کیوں ہوتے جا رہے ہیں؟"

" گھوڑا چھن جانے کی خوشی میں۔" فاروق نے کہا۔

" میرا دل کہہ رہا ہے ۔ کہ ہمیں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہیے، وہاں ضرور کوئی بات ہونے والی ہے۔" فرزانہ نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

" ارے باپ رے ۔ فرزانہ ، خُدا کے لیے اپنے دل کو سمجھاؤ ۔ ایسی اوٹ پٹانگ باتیں نہ سوچا کرے ۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔"

" کہو ۔ پہلے کیا کم باتیں کر چکے ہو۔" اس نے اسے گھورا۔

" سوچا دماغ سے جاتا ہے ۔ دل سے نہیں۔"

" تب پھر اُردو میں یہ کیوں کہا جاتا ہے ۔ میرا دل کہتا ہے۔"

" یہ پُرانے زمانے کے عاشق مزاج لوگوں کی باتیں ہیں، ان کے دماغ تو کام نہیں کرتے تھے ۔ بس اپنے دلوں سے دماغوں کا کام لیتے تھے۔"

" اوہ ! یہ بات آج ہی معلوم ہوئی۔" محمود چونکا۔

" چلو شکر کرو ۔ معلوم تو ہوگئی۔"

" یااللہ تیرا شکر ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

" فرزانہ تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرو گی۔"

" ہاں کیوں نہیں ۔ اللہ کا شکر تو ہر حال میں ادا کرنا چاہیے ۔ یا اللہ تیرا شکر ہے ۔ بلکہ اگر تمھاری زبان خاموش ہو جائے تو میں اور بھی شکر ادا کروں گی۔"

" اگر یہ بات ہے تو میں بالکل خاموش ہو جاتا ہوں، میرا کیا جاتا ہے ۔ کم از کم اس طرح تم ۔ تم ۔ تم۔"

وہ اٹکنے لگا۔

" تم گراموفون کی سوئی نہیں ہو ۔ یہ بات یاد رہے ۔ اور کہیں تم اس وقت اپنے دل سے تو نہیں سوچنے لگے؟"

" نن ۔ نہیں ۔ مجھے ایک زور دار خیال آ گیا تھا۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب — جلدی بتاؤ — کہیں شعر کی طرح وہ خیال بھی نہ پھسل جائے۔"

"اوہو — وہ شعر بھی یاد آ گیا۔" اس نے چونک کر کہا۔

"آ گیا ہو گا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"سوال یہ ہے کہ اب پہلے شعر سناؤں یا وہ خیال؟"

"پہلے خیال — خیال ضروری ہے، شعر سے۔"

"ہاں! یہ تو ہے — جب تک خیال نہیں ہو گا، شعر کہاں سے آئے گا۔"

"لو — بات کیا تھی اور کیا لے بیٹھے — ارے بھائی۔ وہ خیال کیا ہے — جو تمھارے ذہن شریف میں آیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"تم نے میرے ذہن کو شریف کہا — شکریہ بہت بہت۔"

"میں تو ہزار بار شریف کہنے کو تیار ہوں — تم بات بھی تو کرو۔"

"نہ نہ — ہزار بار کہنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں — کیا ہو جائے گا؟"

"وقت بہت لگ جائے گا — اور اس طرح وہ خیال ضرور ذہن سے نکل جائے گا — اور وہ خیال یہ ہے

کہ — ہم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی — مونا کے والد نے ہماری موجودگی میں دم توڑا تھا۔"

"اوہ!"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — ساتھ ہی محمود نے زوردار بریک لگائے — ان کے سامنے ایک خوفناک سین تھا —

ان کا خون

انسپکٹر جمشید نے اپنی کار ڈاکٹر جالب تلواری کے کلینک کے سامنے روک دی ... اپنا کارڈ اندر بھجوایا ... تو فوراً ہی انھیں اندر بلا لیا گیا، انھوں نے دیکھا ... ڈاکٹر جالب تلواری بہت لمبا چوڑا سا آدمی تھا، چہرے پر بڑی بڑی خوف ناک قسم کی مونچھیں بھی تھیں ... بدمعاشوں جیسی ... حالاں کہ وہ ایک ڈاکٹر تھا ...

"آپ ڈاکٹر تلواری ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! آپ کو کوئی شک ہے؟" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جی نہیں ... شک تو نہیں ... ویسے یہ تلواری کیا ہے؟"

"ہمارا خاندان تلواری ہے ... مغلیہ دور میں یہ خطاب ملا تھا ہمارے کسی دادا کو ... وہ مغل بادشاہ کی فوج میں سالار وغیرہ کچھ تھے ... اس وقت سے ہمارے ناموں کے ساتھ تلواری لگایا جانے لگا ... اب میرا کلینک کا وقت ختم ہو گیا ہے ... اور وقت ختم ہو جانے کے بعد میں ایک سیکنڈ بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتا ... کیوں کہ میری

بچی دل کی مریضہ ہے ... وہ پریشان ہو جاتی ہے ... اور جہاں وہ پریشان ہوئی ... اس کی طبیعت خراب ہوئی۔"

"تو پھر چلیے ... ہم باقی باتیں آپ کے گھر کر لیں گے ... کہاں چلنا ہے؟"

"کلینک کی پشت پر ہی رہائش ہے ... آیئے ادھر سے ہی نکل چلتے ہیں؟"

وہ اندرونی دروازے سے ہوتے ہوئے ڈاکٹر کی کوٹھی میں داخل ہوئے ... انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ڈاکٹر اندر چلا گیا ... اچانک ایک نوجوان لڑکی اندر داخل ہوئی ...

"آپ ... آپ انسپکٹر جمشید ہیں ... میرے ڈیڈی نے بتایا ہے۔"

"ہاں بھئی؟"

"مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا ... لیکن آج تو ابھی ابھی ٹی وی پر آپ کے بارے میں حکومت کی طرف سے ایک اعلان کیا گیا ہے؟"

"اوہو! کیسا اعلان ...؟" وہ چونکے۔

"یہ کہ انسپکٹر جمشید اور موجودہ آئی جی، ڈی آئی جی وغیرہ کو ملازمت سے فوری طور پر الگ کر دیا گیا ہے ... ان کے ساتھ کوئی تعاون نہ کیا جائے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ایسا اعلان کیوں کیا گیا انکل؟" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"اس کی وجہ یہ ہے بیٹی کہ... ہم اگرچہ آزاد ہیں... لیکن ظاہر میں، حقیقت میں ہم آج بھی غلام ہیں... یہ ملک بننے سے پہلے بھی ہم غلام تھے... اس وقت انگریز ہم پر حکومت کرتے تھے... اب یہودی اور عیسائی ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔"

"نہیں... تو انکل... ایسی بات تو نہیں ہے۔"

"ایسی بات ہے بیٹی... اگر ہمارے ملک کی حکومت تمام فیصلے بڑی طاقتوں کے اشاروں پر کرے... تو حکومت ان کی ہوئی... یا ہماری حکومت کی۔"

"ان کی۔"

"تب پھر میں غلط کس طرح کہہ رہا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

اسی وقت ڈاکٹر تلواری اندر داخل ہوئے... اور بولے:

"انسپکٹر صاحب... آپ کے بارے میں ٹی وی پر حکومت کی طرف سے اعلان شائع ہوا ہے... لہٰذا اب میں آپ کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کر سکتا۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔"

"میں قانون کا بہت احترام کرتا ہوں نا۔" اس نے کہا۔

"لیکن ان کے سوالات کے جواب دینے میں آپ کا کیا

حرج ہے۔"

"اس طرح حکومت کی خلاف ورزی کروں گا۔"

"کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحب... آپ مجھے کچھ نہ بتائیں... آؤ بھئی چلیں۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب... آپ مجھے تو بتا سکتے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں... ہرگز نہیں... خی خی خی...۔" وہ ہنسا۔

انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے... ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... انھوں نے جلدی سے خان رحمان کا بازو پکڑا اور باہر کی طرف چلے:

"شکریہ ڈاکٹر صاحب۔"

"ڈیڈی... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... مہربانی فرما کر انھیں بلائیں اور ان کی باتوں کے جواب دیں۔"

"نہیں بیٹی... میں اپنے ملک کا قانون پسند شہری ہوں، اگر حکومت نے انھیں نکال نہ دیا ہوتا... تو میں ضرور جوابات دیتا۔"

"کوئی بات نہیں... ہمیں اپنی بات کا جواب مل چکا ہے۔"

"کیا کہا... جواب مل چکا ہے۔" ڈاکٹر جالب تلواری حیران رہ گیا۔

"ہاں ! بالکل ۔" انھوں نے کہا اور باہر نکل آئے۔

"میں آپ کو فون کروں گی ۔" ڈاکٹر کی بیٹی نے دبی آواز میں کہا ... وہ انھیں رخصت کرنے دروازے تک آ گئی تھی ... ایسا کرنے سے اس کے باپ نے اسے نہیں روکا تھا ۔

"شکریہ بیٹی ۔" انھوں نے کہا۔

اب انھوں نے گھر کا رخ کیا ... ایسے میں خان رحمان بولے :

"تم نے کیا کہا تھا جمشید ... تمھیں اپنی بات کا جواب مل چکا ہے ۔"

"ہاں ! میں نے یہی الفاظ کہے تھے ۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن تم نے تو اس سے کوئی سوال پوچھا ہی نہیں ... تو پھر جواب کس طرح مل گیا ۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے خان رحمان ..." وہ مسکرائے ۔

"لیکن کچھ مجھے بھی تو بتاؤ نا ۔"

"اس طرح مزا نہیں آئے گا ۔"

"اوہ ! ایک تو یہ مزا درمیان میں ٹپک پڑتا ہے ۔"

انسپکٹر جمشید مسکرا دیے ... پھر انھوں نے کار میں لگے فون کے ذریعے خفیہ فورس کے انچارج کے نمبر ملائے :

"ہیلو ... جمشید بات کر رہا ہوں ۔"

"یس سر !"

"ڈاکٹر جالب تلواری ۔" انھوں نے کہا۔

"اوکے سر !"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا ...

"یہ کیا ... یہ تم نے اسے کیا ہدایت دی ہے ..." خان رحمان حیران رہ گئے ۔

"ہماری زبان خفیہ ہے ... اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکٹر جالب تلواری کی زبردست نگرانی کی ضرورت ہے ... اب صرف چند منٹ بعد اس کی نگرانی شروع ہو جائے گی ۔"

"میں ایک بات سوچ رہا ہوں جمشید ... اگر ایک آدھ دن کے اندر اس مجرم کو گرفتار نہ کیا جا سکا تو پورا ملک ہل کر رہ جائے گا ۔"

"ہاں خان رحمان ... یہ ٹھیک ہے ... ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں ۔"

"لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس نے بھی خود کو بے شمار پردوں میں چھپا رکھا ہے ۔"

"مجرم سے کوئی غلطی ضرور ہو چکی ہے ... اب وہ چاہتا ہے ہم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتے رہیں ... وہ ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کی پوری پوری کوشش کر رہا ہے ۔"

"تو کیا تم اس کے خیال کے مطابق غلط راستے پر لگ

جاؤ گے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں... یہ تو اللہ کو پتا ہے کہ کیا ہو گا... اب ذرا ہم گھر چلتے ہیں... محمود، فاروق اور فرزانہ کی کارگزاری سے شاید ہم کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

دونوں گھر کی طرف روانہ ہوئے....

"اوہو... خان رحمان... یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے۔"

"بھئی... وہ دیکھو... محمود، فاروق اور فرزانہ ایک ٹرک کو دھکا لگوا رہے ہیں اور ایک شخص غیر محسوس طور پہ ان کی کار کی طرف بڑھ رہا ہے... لیکن اگر میں نے رفتار کم نہ کی تو... ہم نہیں دیکھ سکیں گے... کہ یہ کیا چکر ہے..." ان الفاظ کے ساتھ ہی انھوں نے فوراً کار کی رفتار کم کر دی... اور کار کو سڑک سے نیچے اتارتے چلے گئے... پھر انھوں نے کار درختوں کی اوٹ میں کر لی...

انھوں نے صاف طور پہ دیکھا... محمود، فاروق اور فرزانہ کی کار سے اس شخص نے کوئی چیز نکالی اور واپس جنگل میں آ گیا... وہ دبے پاؤں ایک سمت میں بڑھنے لگا... ان کے رخ اس سمت میں ہو گئے... ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ بدستور ٹرک

کو دھکا لگا رہے تھے... ان کے ساتھ دو آدمی اور دھکا لگا رہے تھے...

"خان رحمان... تم یہیں ٹھہرو... میں ابھی آیا۔"

انھوں نے آواز پیدا کیے بغیر دروازہ کھولا... اور نیچے اتر کر درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے بڑھنے لگے... ادھر سڑک پر راستا بن گیا... خان رحمان نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو کار آگے لے جاتے دیکھا... وہ کچھ نہ کر سکے... اپنی موجودگی کی انھیں خبر نہ دے سکے... اور پھر انسپکٹر جمشید ان کے پاس پہنچ گئے... وہ خاموشی سے کار میں بیٹھ گئے... پھر ٹرک وہاں سے آگے بڑھ گیا، اب ان کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا...

"یہ سب کیا تھا؟"

"یہ لوگ ان کی کار سے یہ گھوڑا چرانا چاہتے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے گھوڑا دکھاتے ہوئے کہا۔

"اوہو... بہت خوب صورت ہے۔"

"لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ نے خوبصورتی کی بنیاد پر اس گھوڑے کو ہرگز اپنی کار میں نہیں رکھا ہو گا۔"

"تب پھر..." خان رحمان بولے۔

"ضرور اس گھوڑے کی کوئی اہمیت ہے... آؤ چلیں... ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

"لیکن جمشید... تم نے اس سے گھوڑا کس طرح حاصل کیا؟"

"وہاں بھی ایک کار موجود تھی... اس نے کار میں گھوڑا رکھا اور ٹرک والے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو گیا... بلکہ وہ کار سے آگے بڑھ کر انھیں دیکھنے لگ گیا... میں نے بھی اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور گھوڑا لے آیا۔"

"بہت خوب... گویا تم نے انھیں انھی کی زبان میں جواب دیا ہے۔" خان رحمان ہنسے۔

"اور کیا کرتا۔" وہ مسکرا دیے۔

دونوں گھر پہنچے...

"کیوں بیگم... ان تینوں کی کوئی خبر ہے یا نہیں؟"

"جی نہیں... ابھی تک تو ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"پتا نہیں... کیا کرتے پھر رہے ہیں... خیر... ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

"ادھر ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے آپ لوگوں کے نکالے جانے کے اعلانات کیے جا رہے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"کوئی پروا نہیں۔"

"تم کہاں تک پہنچے جمشید؟"

"شاید ہم کامیابی سے نزدیک ہیں... اور شاید بہت دور۔" انھوں نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" آئی جی بولے۔

"یہ بات یہ ہوئی... کہ میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں..."

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی...

"یہ ضرور ان کا فون ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے تیزی سے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا... جونہی انھوں نے ریسیور اٹھایا... دوسری طرف کی بات سن کر وہ زور سے اچھلے... چہرے پر حیرت اور خوف پھیل گیا... پھر وہ بولے:

"اچھا... ہم آ رہے ہیں۔"

آواز

سڑک کے درمیان میں ایک آدمی بُری طرح تڑپ رہا تھا... ان کے نزدیک پہنچنے کے ساتھ ہی اس نے دم توڑ دیا:

"رکو نہیں... یا تو گاڑی پیچھے لے چلو... یا آگے نکال لے جاؤ۔"

"آگے نکال لے جانے کے لیے اس کے پاس سے گزرنا پڑے گا... اور اگر یہ اسی زہر سے بھرا ہے... تو اس صورت میں ہم بھی کام سے جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے کار فوراً بیک کر لی...

اس جگہ سڑک سنسان تھی... دور دور تک کوئی نہیں تھا اور یہی بات ان کے لیے حیرت کی تھی... کہ اچانک یہ آدمی سڑک پر کہاں سے آ گیا...

"ہم... میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں... یہ ضرور ہمارے خلاف کوئی چال ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! ٹھیک ہے... وہ لوگ چاہتے ہیں... ہم نیچے اتر کر اس لاش کو دیکھیں... اور خود بھی موت کے شکار ہو جائیں۔"

"تب پھر ہمیں اور بھی پیچھے ہٹ جانا چاہیے۔"

محمود نے کہا اور پیچھے ہٹتا چلا گیا... اچانک انھوں نے جنگل میں سے ایک کار بلا کی رفتار سے آتے دیکھی...

"محمود... بچو... یہ ضرور حملہ کرے گی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں... یہ ہمیں ہر حال میں جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔" محمود نے کہا اور تیزی سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

عین اسی وقت انھوں نے سڑک سے اس آدمی کو اٹھتے دیکھا جو تڑپ کر ساکت ہو گیا تھا... اور پھر اس نے کلاشن کوف سے ان کی کار پر فائرنگ شروع کر دی... دوسری طرف جنگل سے آنے والی کار سے فائرنگ شروع ہو گی...

"ارے باپ رے... باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا ہے... یہ تو۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ... وہ... وہ دیکھو... ایک کار پیچھے سے بھی آ رہی ہے۔ اب ہم بھلا کیا کریں... یہ بھی نزدیک آتے ہی فائرنگ شروع کر دے گی۔" فرزانہ چلائی۔

محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... بائیں طرف سڑک سے نیچے کار اتار دی... کیوں کہ اس سمت میں ابھی تک کوئی کار نظر نہیں

آئی تھی...! اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا...

آئینے میں انھوں نے دونوں کاروں کو آتے دیکھا... ساتھ میں وہ فائرنگ بھی کر رہی تھیں...

"فرزانہ! تم انکل اکرام کو فون کرو... سلسلہ نہ ملے تو گھر فون کرو... وہاں آئی جی صاحب موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

محمود اب اس سمت میں چلا جا رہا تھا... جو سمت ان سے خالی تھی... اور فرزانہ جلدی جلدی فون کر رہی تھی، فاروق پچھلی طرف نظر رکھے ہوئے تھے...

"مشکل یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس صرف پستول ہیں، اور ہم کلاشن کوفوں کا مقابلہ پستولوں سے نہیں کر سکتے۔" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"اللہ مالک ہے... ویسے ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ اتنے بڑے پیمانے پر ہمیں مارنے کی کوشش کریں گے۔"

"شاید اب انھیں ہم سے خطرہ محسوس ہونے لگا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اور اس حملے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ کام پورے گروہ کا ہے... ایک دو آدمیوں کا نہیں ہے۔"

اسی وقت فرزانہ سلسلہ ملانے میں کامیاب ہو گئی، اور

جلدی جلدی کہنے لگی...

"ہم اس وقت شمالی سڑک پر ہیں... ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے... نہیں چاروں طرف سے نہیں... تین طرف سے اور کلاشن کوفوں سے فائرنگ کی جا رہی ہے۔"

"شمالی سڑک پر کتنی دور..." دوسری طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔

"سولھویں کلومیٹر کے آس پاس ہیں۔"

"اچھی بات ہے... حوصلہ نہ ہاریئے گا..." دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ ہم نے کبھی نہیں ہارا۔" فرزانہ نے کہا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

"کیوں؟... سلسلہ کس سے ملا ہے؟"

"خفیہ فورس والوں سے..."

"اس لیے کہ نہ تو گھر فون مل رہا ہے... اور نہ انکل اکرام کا... شاید فون انگیج یا خراب ہیں۔"

"اوہ... تب تو ان کا پروگرام بہت خوف... ارے باپ رے۔" اسی وقت انھوں نے ایک کار جنگل میں چوتھی سمت سے بھی آتی دیکھی تھی... ان کے رنگ اڑ گئے:

"ابھی تم کہہ رہی تھیں... ہم نے حوصلہ کبھی نہیں ہارا..."

فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! کہ تو رہی تھی۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس وقت ہمیں ضرورت صرف حوصلے کی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔۔ کوشش کرتی ہوں پیدا کرنے کی۔" فرزانہ بولی۔

"فرزانہ۔۔۔ اس سے باتیں نہ کرو۔۔۔ صرف چاروں طرف نظر رکھو اور مجھے یہ بتاؤ۔۔۔ ہم کس طرف مڑ کر فائدے میں رہ سکتے ہیں۔"

"ایک منٹ۔۔۔" فرزانہ نے کہا اور پھر چاروں سمت نظریں گھمائیں اچانک اس نے کہا:

"فوری طور پر دائیں طرف مڑ جاؤ۔۔۔ اور اس قدر تیز کار چلاؤ کہ کیا تم نے کبھی چلائی ہو گی۔"

"لیکن ہم درختوں کے درمیان ہیں۔" فاروق بولا۔

"میں سمجھتی ہوں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

محمود نے کار دائیں طرف موڑ لی اور بلا کی رفتار سے چلا۔۔۔ ہر لمحے فاروق اور فرزانہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ جیسے وہ اب کسی درخت سے ٹکرائے۔۔۔ اور اب ٹکرائے۔۔۔ کئی مرتبہ تو فاروق اور فرزانہ کو آنکھیں بند کرنا پڑیں۔۔۔ اور جب کھولیں تو وہ درخت سامنے نہیں تھا۔۔۔ محمود ڈرائیونگ میں کم ماہر نہیں تھا۔۔۔ لیکن دوسروں کو تو خوف محسوس ہوتا ہی ہے۔۔۔

"ہم نے اب انھیں کافی پیچھے چھوڑ دیا ہے محمود۔۔۔ اور اس کا

مطلب یہ ہے کہ وہ اس قدر رفتار سے کاریں نہیں چلا رہے۔۔۔ شاید ان میں اس قدر ہمت نہیں ہے۔۔۔ اور یہی ہماری کامیابی ہے۔"

"بڑھے چلو بہادرو۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

اور جب انھوں نے دیکھا کہ وہ کلاشن کوفوں کی رینج سے دور آ گئے ہیں۔۔۔ تو انھوں نے فوراً کار کا دروازہ کھولا اور باہر کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔۔۔ اب وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے جا رہے تھے۔۔۔ اب ان کی رفتار کاروں سے زیادہ ہو چکی تھی۔۔۔ کیوں کہ درختوں کے درمیان پیدل آدمی کاروں کی نسبت زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے۔۔۔

وہ لمحہ بہ لمحہ ان سے دور ہوتے چلے گئے۔۔۔ اور پھر انھوں نے تین گھنے درختوں کی اوٹ لے لی۔۔۔ اب وہ ان کی کلاشن کوفوں سے بچ سکتے تھے۔۔۔ اور ان کے نزدیک آنے پر ان پر فائرنگ بھی کر سکتے تھے۔۔۔ اس لیے کہ وہ دشمن کو آتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔۔۔ جب کہ دشمن کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کس درخت کے پیچھے چھپے ہیں۔۔۔

"اب ہم خطرے سے باہر ہیں۔"

"لیکن اس قدر بھی نہیں کہ بے فکر ہو جائیں۔۔۔ ہمیں پیچھے بھی نظر رکھنا ہو گی۔" محمود نے کہا۔

"اوہ ہاں۔۔۔ واقعی۔۔۔"

انھوں نے دیکھا... کلاشن کوفوں والی کاریں ان کی کار کے پاس پہنچ کر رک گئی تھیں... ان کاروں سے قریباً سولہ آدمی اترے تھے... اور شکاری کتوں کی طرح ادھر ادھر انھیں تلاش کر رہے تھے...

"ہمارے پاس بھلا کتنی گولیاں ہیں پستولوں میں؟"

"اٹھارہ۔"

"اس کا مطلب ہے... ہمیں اپنی کوئی گولی ضائع نہیں کرنی چاہیے۔"

"تو ہمیں ضرورت بھی کیا ہے۔"

"بہرحال... وہ اس طرف آئیں گے تو ضرور...۔"

"اب تک وہ اس خیال میں ہیں کہ ہمارے پاس اسلحہ بالکل نہیں ہے۔"

"ان کی یہ خوش فہمی ہمارے کام آئے گی ان شاء اللہ۔"

کار کے آس پاس دیکھ لینے کے بعد وہ اس سمت میں آگے بڑھنے لگے... جس سمت میں وہ لوگ چھپے ہوئے تھے... وہ بے دھڑک آ رہے تھے... جیسے انھیں ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا...

"میری سمجھ میں ایسے میں ایک اور ترکیب آ رہی ہے... ہم اپنی ساری کی ساری گولیاں بچا سکتے ہیں..." فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جب وہ لوگ یہاں سے آگے بڑھیں... تو ہم درختوں کے پیچھے اپنی سمت بدلتے چلے جائیں... اس طرح وہ آگے بڑھ جائیں گے اور ہم ان کے پیچھے... اس حالت میں وہ تھک ہار کر واپس آئیں گے... لیکن..." وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن کے بعد میں پھر بتاؤں گی۔"

"یہ تمھاری پرانی عادت ہے... خیر اس وقت میں تم سے جھگڑا بھی مول نہیں لے سکتا... دشمن خبردار ہو جائیں گے... بہرحال تمھاری ترکیب بہت خوب صورت ہے... اور معقول ہے... اور ہم اس پر عمل کریں گے۔"

دشمن جب ان کے قریب آ گئے... کہ وہ آہستہ آہستہ اپنی سمت بدلتے چلے گئے... دشمن آگے بڑھ گئے... اور وہ پیچھے رہ گئے، وہ دل میں مسکرائے اور کاروں کی طرف بڑھنے لگے... یہاں تک کہ کاروں تک پہنچ گئے... انھوں نے کاروں کو جوں کا توں رہنے دیا اور سڑک کی طرف بڑھتے چلے گئے... آدھ گھنٹے بعد وہ سڑک پر آ گئے... انھوں نے سڑک بھی پار کر لی... اور سڑک کے دوسری طرف تین درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے...

"اب جب تک مدد نہیں آ جاتی... ہم یہاں آرام سے کھڑے رہ سکتے ہیں... اور مدد آنے میں اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" محمود

نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ ترکیب اچھی رہی یا ترکیب والی اچھی رہی۔" فرزانہ بولی۔

"ترکیب... کیوں کہ اس میں ہینگ لگی نہ پھٹکڑی ... اور رنگ چوکھا آگیا۔" فاروق مسکرایا۔

"محاورے کے بغیر بات نہیں کر سکتے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"میرا خیال ہے ... یہ محاورہ نہیں ... ضرب المثل ہے۔" محمود فوراً بولا۔

"محاورے اور ضرب المثل میں کیا فرق ہے... یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فاروق نے کہا۔

"نہ آئی ہو گی... ہمیں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے... فرق سمجھانے کی۔"

اچانک سڑک کی طرف سے کچھ گاڑیوں کے آثار نظر آئے... آخر کاریں نزدیک آگئیں...

"اب انھیں اشارہ تو دینا ہو گا۔"

"اور اگر یہ دشمن کی کاریں ہوئیں... وہ تبھی تو مدد کے لیے اور دشمن بھیج سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے... ہم سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے... اُلّو کی آواز منہ سے نکالیں گے۔"

"بالکل ٹھیک..."

کاریں جونہی ان کے نزدیک سے گزریں... انھوں نے اُلوؤں کی آوازیں منہ سے نکالیں... کاروں کی رفتار زیادہ نہیں تھی... وہ یک دم رک گئیں...

"تینوں یہیں کہیں ہیں۔" کسی نے کہا۔

محمود نے ایک بار پھر اُلّو کی آواز نکالی... جواب میں انھیں بھی الّو کی آواز سنائی دی:

"اب کوئی شک نہیں رہا... ہم سامنے آ سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

تینوں درختوں کی اوٹ سے نکل آئے... خفیہ فورس والے فوراً ان کی طرف بڑھے...

"وہ لوگ کس طرف ہیں۔" ان کے انچارج نے پوچھا۔

محمود نے تفصیل سنا دی... وہ مسکرا دیے... اور بولے:

"اب ہم انھیں دیکھ لیں گے۔"

انھوں نے کاریں سڑک سے اتار کر درختوں کی اوٹ میں کر لیں... اور درختوں کے پیچھے پوزیشن لے لی... ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ تھا... نہ صرف کلاشن کوفیں بلکہ بم اور دوسری چیزیں بھی تھیں...

آدھ گھنٹے بعد انھیں کاریں آتی نظر آئیں... شاید وہ مایوس ہو کر لوٹ رہے تھے...

"کیا خیال ہے... انھیں نکل جانے دیں یا ڈھیر کر دیں؟"

"ڈھیر کرنے کے بعد یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے... آپ اگر ان کا تعاقب کریں... اور پھر ہمیں بتا دیں کہ یہ کہاں جاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... آپ کو اگر ضرورت ہو تو ہم میں سے تین چار آپ کے ساتھ رک جاتے ہیں..."

"نہیں... اب کیا ضرورت رہ گئی... ہم اپنی کار نکالیں گے، اور گھر پہنچ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

خفیہ فورس والے چلے گئے... اب وہ درختوں کی اوٹ سے نکلے، اور اپنی کار کی طرف چل پڑے۔

"یہ لوگ تو بہت بے وقوف ثابت ہوئے۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں... کیا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے مقابلے میں ہم چالاک ثابت ہوئے۔" فرزانہ بولی۔

"مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"کہیں وہ ہماری کار نہ بے کار کر گئے ہوں۔"

"اوہ!" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"خیر کوئی بات نہیں... اس صورت میں ہم پھر فون کر دیں

گے۔"

"فون بھی تو بے کار کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"تب تو ہم نے غلطی کی ہے... تمام خفیہ فورس والوں کو بھیج کر۔" محمود نے کہا۔

"اب تو ہو گئی... کیا کیا جا سکتا ہے۔"

آخر وہ اپنی کار تک پہنچ گئے... یہ دیکھ کر انھیں اطمینان ہوا کہ کار بالکل ٹھیک ٹھاک تھی... لیکن ان کی سٹی اس وقت گم ہو گئی... جب کار کی اوٹ سے ایک کلاشن کوف ان کی طرف اٹھ گئی...

"خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

اعلانِ جنگ

"کیا ہوا جمشید" آئی جی صاحب گھبرا گئے۔

"شاید یہ لوگ ہمیں سانس نہیں لینے دیں گے... ایک سیاسی جماعت کا جلسہ ہو رہا تھا... اس میں ایک آدمی کی موت واقع ہو گئی، اور آس پاس کے لوگ دھڑا دھڑ گرتے چلے گئے ہیں... اب تک کئی سو آدمی مر چکے ہیں... جو بھاگنے میں کامیاب ہوئے... وہ بھی دور دور تک بے ہوش پڑے ہیں۔"

"اُف مالک... یہ کیا ہو رہا ہے" پروفیسر داؤد بولے۔

"ملک میں انتخابات ہونے والے ہیں... سیاسی جلسوں کا زمانہ ہے... یہ وارداتیں تو مچا دیں گی قیامت... اور تمام سیاسی پارٹیاں چیخ اٹھیں گی کہ یہ سب کام حکومت کرا رہی ہے۔"

"اور ظاہر بھی تو یہی ہوتا ہے... آخر کالیا کو رہا کرنے کے سلسلے میں صدر صاحب نے ہماری بھی پروا تک کیوں نہیں کی۔"

"ہوں! اس پہلو پر غور کرنا ہو گا... کہیں یہ سب کچھ

صدر صاحب خود تو نہیں کرا رہے... تاکہ ملک میں انتخابات ہو ہی نہ سکیں... اور اقتدار انھی کے پاس رہے۔"

"اگر یہ سب کام وہ کرا رہے ہیں... تب وہ مجرم ہیں... اور ہم انھیں اس جرم کے سلسلے میں گرفتار کریں گے۔"

"آئیے! اب وہاں چلیں... کچھ لوگوں کی مدد تو کریں گے ہی نا... گیس ماسک ہمارے پاس ہیں۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی... انھوں نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سننے لگے... ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا...

"تو پھر... تم انھیں وہاں چھوڑ کر آ گئے... اور حملہ آوروں کا تعاقب کرتے ہوئے... اس عمارت تک پہنچ گئے... گویا ان حملہ آوروں کا تعلق ہوٹل ساہو سے ہے... لیکن تم نے عقل مندی نہیں کی... انھیں وہاں چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا... دشمنوں نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ وہ واپس لوٹنے کا ڈراما کرتے ہیں، لیکن ان میں سے ایک یا دو وہاں رہ جائیں گے... محمود، فاروق اور فرزانہ جب میدان صاف دیکھیں گے تو اپنی کار کی طرف بے دھڑک جائیں گے... اور اس طرح وہ ان کی زد میں آ جائیں گے... مجھے جلدی بتاؤ... وہ کہاں ہیں اور ہماری بجائے تم لیاقت پارک کی جلسہ گاہ میں پہنچو... گیس

ماسک لے کر... وہاں ایک موت واقع ہو گئی ہے... اور اس
کی وجہ سے سیکڑوں آدمی مارے گئے ہیں۔"
یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگے... آخر ریسیور
رکھ دیا...
"ہمیں فوراً چلنا ہے... محمود، فاروق اور فرزانہ خطرے میں
ہیں۔" وہ بولے۔
"ہوا کیا ہے؟"
"راستے میں بتا دوں گا۔"
"لیکن میں تو نہیں سن سکوں گی۔" اندر سے بیگم جمشید نے
گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"تم اللہ سے دعا کرو... آکر بتاؤں گا۔"
اور وہ اسی وقت جنگل کی طرف روانہ ہو گئے.... جگہ
اور سمت انھوں نے خفیہ فورس والوں سے معلوم کر لی تھی،
اب انھوں نے ساری تفصیل انھیں سنا دی...
"لیکن جمشید... تمھارا خیال غلط بھی تو ہو سکتا ہے...
کیوں کہ حملہ آور واپس بھی تو نہیں پلٹے..."
"ہو سکتا ہے... انھوں نے یہی پروگرام بنایا ہو کہ باقی
لوگ واپس نہیں پلٹیں گے... جسے وہاں چھوڑ دیا گیا ہے...
بس وہی ان لوگوں سے نپٹ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے

گا۔" انھوں نے کہا۔
"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہاں کوئی آدمی چھوڑا گیا ہو۔" خان
رحمان بولے۔
"کیسی باتیں کرتے ہو خان رحمان... جب ان کی کار وہاں
کھڑی تھی... اور شہر تک تینوں پیدل آ نہیں سکتے تھے... تو
ظاہر ہے... ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد وہ اس جگہ
سے نکل کر کار کی طرف ضرور آئیں گے۔"
"ہوں خیر... یہ تو وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہو گا۔"
وہ جنگل میں اس جگہ پہنچ گئے... جہاں سے انھیں درختوں
کے درمیان پہنچنا تھا... وہ کار کو ایک محفوظ جگہ کھڑے کرنے
کے بعد اس سمت میں چلے... ان کے ہاتھوں میں جدید قسم
کے پستول تھے... یہ کلاشن کوف سے زیادہ خطرناک تھے...
اچانک ان کے قدم رک گئے... انھوں نے محمود، فاروق
اور فرزانہ کو ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے دیکھا... کوئی ان سے
کہہ رہا تھا:
"بڑے چالاک بنے پھرتے ہو... لیکن میری عقل کے مقابلے
میں بالکل مار کھا گئے۔"
"اس میں کوئی شک نہیں چالاک انکل..." فاروق کی چہکتی
آواز سنائی دی۔

انسپکٹر جمشید کو بہت خوشی ہوئی... کہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی ان کے بچے چہک سکتے ہیں:

"میں نے تو سوچا تھا... آخر تم لوگ جہاں کہیں بھی چھپے ہوئے ہو... ہمارے جانے کے بعد تو اوٹ سے نکل کر کار کی طرف آؤ گے ہی... لہٰذا میں نے اپنے ساتھیوں کو چلے جانے کے لیے کہا... اور خود یہیں رک گیا... لہٰذا تم میرے جال میں آ گئے۔"

"شکریہ چالاک انکل... لیکن آپ ہمیں مارنا کیوں چاہتے ہیں۔"

"باس تم لوگوں سے خطرہ محسوس کر رہا ہے... اس کا خیال ہے... تم اس تک پہنچ جاؤ گے... اس کا سراغ لگا لوگے... تم لوگوں کے بعد تمھارے والد کی باری آئے گی۔"

"ارے باپ رے... یہ تو بہت غلط بات ہے... اب تو ہم ضرور کچھ نہ کچھ کر کے رہیں گے... پہلے تو خیر ہم کچھ نہ کرتے۔" فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اپنے والد کے لیے تو ہمیں حرکت میں آنا ہی ہو گا۔"

"گویا تم اپنے لیے حرکت میں نہ آتے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خیر حرکت میں تو ہم اس صورت میں بھی آتے... لیکن حرکت

حرکت میں بہت فرق ہے۔" محمود مسکرایا۔

"اور یوں بھی حرکت میں بہت برکت ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اچھا! میں تمھاری باتیں بہت سن چکا... اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"کک... کیا واقعی؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں مذاق کر رہا ہوں۔"

"نن... نہیں... آپ اور مذاق کریں گے... مذاق تو ہم آپ سے کر رہے ہیں... بری بات ہے... محمود... فرزانہ... ہمیں ان سے مذاق نہیں کرنا چاہیے۔"

"مذاق تم کر رہے ہو... اور منع ہمیں کر رہے ہو... خود کو منع کرو۔"

"یار فاروق... ان سے مذاق نہ کرو... بری بات ہے۔" محمود نے کہا۔

"بہت ہو چکی... مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے کہا۔

"لیکن پہلے اپنے پیچھے دیکھ لو۔" فاروق نے پیچھے دیکھے بغیر کہا۔

"یہ بہت پرانا ہتھکنڈا ہے... میں اس چال میں نہیں آؤں گا۔" وہ بولا۔

"لیکن ہمارا مشورہ ہے... پیچھے مڑ کر دیکھ لو... ہم وعدہ کرتے ہیں... تم پتھر کے نہیں بنو گے۔"

"مجھے اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر تم ہرگز کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے... میں جانتا ہوں... میرے پیچھے کوئی نہیں ہے، تمھارے مددگار میرے ساتھیوں کے تعاقب میں جا چکے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... تم پیچھے... پیچھے... پیچھے۔" فاروق نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا پیچھے پیچھے لگا رکھی ہے... مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو... میں پیچھے نہیں دیکھوں گا۔"

محمود اور فرزانہ نے حیران ہو کر دشمن کی کمر کی طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئے... ایسے میں ان کے چہروں پر تبدیلی کے آثار دشمن نے بھی محسوس کر لیے... اس نے چاہا... پیچھے مڑ کر دیکھوں... لیکن اس سے پہلے ہی اس کی گردن انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں آ گئی... اور کلاشن کوف ہاتھ سے نکل گئی...

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا... پیچھے مڑ کر دیکھ لو... میری بات مانی ہی نہیں۔"

حملہ آور پر اب سکتے کی حالت طاری تھی... انھوں نے جلدی سے اسے باندھ لیا...

"اب ہم تم سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہیں گے اور ہم یہ

نہیں بتائیں گے کہ وہ سوال کیا ہے... لہذا خود بتا دو... تمھارا جواب کیا ہے۔"

"کک... کس بات کا؟"

"پیچھے... پوچھ رہے ہیں... کس بات کا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اوہ! میں سمجھ گیا... آپ پوچھنا چاہتے ہیں... کہ ہمیں کس نے بھیجا تھا۔"

"بہت خوب! بالکل ٹھیک سمجھا... جلدی بتاؤ۔"

"باس نے بھیجا تھا۔"

"اور باس کا نام کیا ہے؟"

"باس!" اس نے کہا۔

"بہت ہی اچھا اور مناسب نام ہے... خوب سوچ سمجھ کر رکھا اس نے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"باس کہاں رہتا ہے؟"

"فون کے ذریعے یا وائرلیس کے ذریعے پیغامات ملتے ہیں، کے اور بس۔"

"زہر کی گولی وہ کس طرح لوگوں کو کھانے پر مجبور کرتا ہے؟"

"ہیروئن کے عادی لوگ اس کو ہیروئن سمجھ کر کھا جاتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن زہر کی وہ گولی لوگوں تک کس طرح پہنچتی ہے؟"

جس طرح ان تک ہیروئن پہنچتی ہے۔" اس نے کہا۔

"نہایت معقول جواب ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"یار چپ رہو... پہلے ہی بہت اِدھر اُدھر کی ہانک چکے ہو۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اب تم ہانکنا چاہتے ہو... بہت خوشی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"یہاں سے فارغ ہو کر تمھیں کہاں جانا تھا؟"

"الیاس بلڈنگ۔"

"کیا باس وہاں ملتا ہے؟"

"نہیں... وہ ہمارا ہیڈ کوارٹر ہے۔"

"تو پھر چلو... وہیں چلتے ہیں۔"

وہ وہاں سے الیاس بلڈنگ کی طرف روانہ ہوئے... راستے میں انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے پوری تفصیلات سنیں... خفیہ فورس نے پہلے ہی عمارت کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا... لیکن ابھی انھوں نے کوئی کارروائی نہیں کی تھی... ایسے میں بے شمار پولیس کی گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں... سپیکر پر اعلان کیا جانے لگا...

"اس عمارت کے گرد جن لوگوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے... وہ خود کو قانون کے حوالے کر دیں... اس عمارت اور عمارت میں رہنے والوں کی حفاظت حکومت کے ذمے ہے... ان لوگوں نے فون پر

درخواست کی ہے کہ انھیں کچھ نامعلوم لوگوں کی طرف سے خطرہ ہے، لہٰذا ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے... لہٰذا ہم لوگ آگئے ہیں، آپ لوگ ہتھیار ڈال دیں۔"

خفیہ فورس والوں نے سوالیہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... میں ان سے بات کرتا ہوں۔" انھوں نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولے:

"اس عمارت میں جو لوگ موجود ہیں... انھوں نے ہم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا... ہم نے پہلے ان کے گرد گھیرا ڈالا... تاکہ یہ فرار نہ ہو جائیں... اور اب پولیس کو فون کرتے... تاکہ آپ لوگ انھیں گرفتار کر سکیں... لیکن یہ لوگ شاید بہت زیادہ چالاک ہیں... انھوں نے ہم سے پہلے ہی فون کر دیا... اور خود کو مظلوم ثابت کیا۔"

"ہوں! اس کا فیصلہ بعد میں ہو گا... فی الحال تو آپ لوگ ہتھیار ڈال دیں۔"

"ہم ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں... بشرطیکہ آپ اس عمارت میں موجود لوگوں کو بھی ہمارے ساتھ ہی گرفتار کریں۔"

"بالکل! یہ تو ہو گا ہی۔"

"شکریہ... چلو بھئی ہتھیار ڈال دو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ... یہ تم کیا کر رہے ہو جمشید... حکومت ہمیں کب چھوڑے

گی:" خان رحمان نے کہا:

"میں بلا وجہ خون خرابہ نہیں کر سکتا... اور پھر حکومت کے کسی اہل کار کو تو میں خراش تک پہنچانا پسند نہیں کرتا... اس لیے کہ انھیں تو جو ہدایات ملتی ہیں... یہ ان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔"

"لیکن جمشید... خود کو پولیس کے حوالے کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہ لوگ تو ہمیں باغی قرار دے کر موت کی سزا سنوا دیں گے، اور پھر گرفتار ہو کر ہم ملک اور قوم کو اس زہر سے نجات نہیں دلوا سکیں گے۔"

"بات معقول ہے... لیکن جب تک ٹھوس ثبوت ہمارے خلاف نہ ہو... اس وقت تک یہ ہمیں قید کس طرح کر سکتے ہیں۔"

"اس وقت بڑی طاقتوں کا ہمارے صدر پر بے حد دباؤ ہے، اس دباؤ کے تحت کہیں یہ ہمیں بالکل ہی نہ پھانس لیں۔"

"دیکھا جائے گا۔" انھوں نے کہا اور پھر اعلان کیا:

"ہم گرفتاری دینے کے لیے تیار ہیں... بشرطیکہ عمارت میں موجود لوگوں کو بھی گرفتار کیا جائے... اور دونوں طرف کے بیانات لیے جائیں... اور یہ کارروائی اعلیٰ عدالت کے چیف جسٹس کی موجودگی میں کی جائے..."

"یہ شرط منظور ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور انھوں نے ہاتھ اٹھا دیے... ان سب کو گرفتار کر لیا

گیا... لیکن عمارت کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا... انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے...

"یہ کیا؟" وہ بولے۔

"ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے... ان لوگوں نے تو الٹا آپ لوگوں کے خلاف شکایت کی ہے کہ انھیں بلا وجہ ہراساں کیا جا رہا ہے۔"

"بہت خوب! تو آپ وعدے سے پھر گئے... اور ہمیں دھوکا دیا گیا۔"

"ہم کچھ جانتے نہیں۔"

"سنو... کیا تم مجھے نہیں جانتے۔" آئی جی صاحب گرجے۔

"جانتے ہیں سر... جانتے کیوں نہیں... لیکن صدر صاحب کے احکامات کا کیا کریں۔"

"اچھی بات ہے... اب ہم لوگ بھی وہ کریں گے... جو ہمارا جی چاہے گا... باغی قرار دیے جاتے ہیں... تو دے دیے جائیں... کوئی پروا نہیں..." خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"اب آپ لوگ کچھ نہیں کر سکیں گے... یہ ہماری حکومت کا فیصلہ ہے۔"

"اچھی بات ہے... ہمیں عدالت کے سامنے تو پیش کیا جائے گا کہ نہیں۔"

"یہ بھی صدر صاحب کی مرضی ہے... وہ پیش کریں یا نہ کریں۔"

"اس کا مطلب ہے... اعلانِ جنگ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! یہ اعلانِ جنگ ہے۔"

"تو پھر میں بھی اعلانِ جنگ کرتا ہوں... خود اپنی حکومت کی خلاف... حکومت کا سب سے زیادہ وفادار، حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے۔"

انھوں نے چلّا کر کہا۔

نیا صدر

انھیں اسی وقت صدر کے سامنے پیش کیا گیا... صدر نے غمگین انداز میں ان کی طرف دیکھا:

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا... حکومت کے اس قدر وفادار لوگ بھی باغی بن جائیں گے۔"

"ہمیں باغی بنایا گیا ہے سر... ہم نے کچھ جرائم پیشہ لوگوں کو گھیرا تھا... پولیس نے ہمیں گھیر لیا۔"

"یہ کام آپ لوگوں کا نہیں تھا... آپ لوگوں کو تو اپنے عہدوں سے ہٹا دیا گیا ہے۔"

"یس سر... لیکن عام شہری ہونے کے ناطے بھی تو ہمارا یہ فرض بنتا ہے... کہ ملک سے جرائم کو ختم کرنے کے لیے حکومت سے تعاون کریں۔"

"یہ تعاون نہیں تھا... من مانی تھی... تعاون میں اور من مانی میں بہت فرق ہے۔"

"چلیے یونہی سہی... تو ان لوگوں کو ہمارے ساتھ گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟"

"انھوں نے تو آپ لوگوں کے خلاف شکایت کی تھی... کہ آپ لوگ انھیں حراست میں لے رہے ہیں... غیر قانونی حراست میں..."

"شکریہ... اب آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

"کچھ نہیں... بس آپ کو جیل جانا ہو گا۔"

"آپ کی مرضی... سر... کیا آپ چاہتے ہیں... لوگ زہر کی گولیاں کھا کر مرتے رہیں... اور ان کے گرد موجود لوگ بھی موت کے گھاٹ اتر جائیں... اس طرح تو ملک لوگوں سے خالی ہو جائے گا سر... پھر آپ حکومت کن پر کریں گے؟"

"ہمارے ملک کی آبادی میں حد درجے اضافہ ہو گیا ہے... اس طرح یہ اضافہ ختم ہو جائے گا۔"

"گویا یہ سب آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے؟"

"نہیں... یہ تو میں نے تمھاری بات کا جواب دیا ہے... مجھے تو صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس قسم کی وارداتوں میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالوں... اور بس... لہٰذا تم لوگ سب سے بڑی رکاوٹ تھے... اور بڑی طاقت نے یہ کہہ بھی دیا تھا کہ کوئی بڑی رکاوٹ اگر ثابت ہو سکتی ہے... تو وہ ہے... انسپکٹر جمشید

انسپکٹر کامران مرزا اور بس... انسپکٹر کامران مرزا کی طرف تو ابھی یہ کام شروع کیا ہی نہیں گیا... جب ادھر شروع ہو گا تو انھیں بھی قابو میں کر لیا جائے گا۔"

"اب معلوم ہوا... آپ کالیا کو کیوں چھڑانا چاہتے تھے۔"

"ہاں! انھیں سپیشل جیل میں لے جاؤ بھئی... ان کا کردار ختم ہو گیا... آج کے بعد یہ ہمارے ملک کے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے... ویسے اس کا افسوس مجھے بھی ہے۔"

"سر... ایک بات ہماری بھی سن لیں۔" انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

"ضرور... کیوں نہیں۔" انھوں نے بھی مسکرا کر کہا۔

"آپ کو صدر بنے صرف اور صرف تین ماہ ہوئے ہیں... آپ سے پہلے صدر بہت اچھے تھے... وہ بوڑھے بہت ہو گئے تھے... آپ کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے... لیکن آج بھی ہمارے ملک کو ان جیسے صدر کی ضرورت ہے... اور میں اپنے ملک کے لیے ویسا صدر ان شاء اللہ لاؤں گا۔"

"آپ لائیں گے... لیکن آپ تو جیل جا رہے ہیں... کبھی نہ آنے کے لیے... اس جیل کو توڑنا یا اس سے فرار ہونا آپ کے بس کا روگ نہیں۔"

اور انھیں وہاں سے جیل لایا گیا... سب کو ایک کوٹھری میں

بند کر دیا گیا...

"کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا... کہ ہمارا صدر اس حد تک بکاؤ مال ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"تو پھر... تم کیا کر لیتے۔" خان رحمان بولے۔

"ان لوگوں کے قابو میں خود کو نہ دیتے... وہاں سے ہم لڑ بھڑ کر نکل سکتے تھے۔"

"تو کیا اب ہم اس جیل سے نہیں نکل سکیں گے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"ان شاء اللہ نکلیں گے۔"

اسی رات خفیہ فورس والے کیسے جیل میں داخل ہو کر ان تک پہنچ گئے... کوٹھری کا تالا بھی انھوں نے کھول لیا:

"یہ کیسے... کیا بھئی:" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس وقت پوری جیل ہمارے قبضے میں ہے سر... ہم سب کو پورے اسلحے کے ساتھ آنا پڑا... لیکن اللہ کی مہربانی سے ہم نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا۔"

"بہت خوب... صدر صاحب کو گرفتار کر کے... ان کا حلیہ تبدیل کر کے... اس کوٹھری میں بند کر دو... چہرے پر میرا میک اپ کر دینا... اور جیل پر کنٹرول اپنا ہی رکھنا..."

"او کے سر!"

وہ وہاں سے نکل کر سیدھے ایک عمارت تک آئے... عمارت کے مالک کے بارے میں پوچھا گیا... ملازمین نے بتایا کہ اپنے کمرے میں ہیں... وہ اس طرف بڑھے... کمرے کا دروازہ بند نہیں تھا۔ لہذا اندر داخل ہو گئے... لیکن وہاں عمارت کا مالک نہیں تھا...

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں... میں ان سے معلوم کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور باہر نکل گئے...

"کیوں بھئی... آپ نے تو بتایا تھا کہ صاحب اپنے کمرے میں ہیں۔"

"بالکل ہیں... کیا آپ کو نہیں ملے۔"

"نہیں... وہ اندر نہیں ہیں۔"

"آپ سب یہاں آ کر انتظار کریں... جب دروازے پر سبز بلب جلے گا... اس وقت بتائیے گا۔"

"اوہ اچھا... میں اپنے ساتھیوں کو لے آتا ہوں۔" انھوں نے کہا اور پھر اپنے کمرے کا رخ کیا...

"ملازمین کا کہنا ہے... یہیں باہر بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے گا، جب اس کمرے کے دروازے پہ لگا ہوا سبز بلب روشن ہو گا... اس وقت عمارت کا مالک یہاں مل سکے گا۔"

"یہ بات انھوں نے پہلے کیوں نہیں بتائی۔"

"ذہن سے نکل گئی ہو گی... لیکن یہ بات عجیب ہے... لہذا

باہر جانے کی بجائے ... ہم یہیں کیوں نہ انتظار کر لیں۔"

"ہاں: ٹھیک ہے۔"

وہ انتظار کرنے لگے... جلد ہی قدموں کی آواز گونجی ... اور دو ملازم اندر داخل ہوئے...

"ہم نے آپ سے کہا تھا کہ باہر انتظار کریں۔"

"ہم یہیں کر لیتے ہیں۔"

"ان کی عدم موجودگی میں آپ یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔"

"لیکن... کیوں... اور پہلے آپ نے یہ بات کیوں نہیں بتائی تھی... سبز بلب والی۔"

"ایک ملازم بالکل نیا رکھا ہے... اسے ابھی تک یہ بات نہیں بتائی گئی تھی... اس نے آپ کو ادھر بھیج دیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے... صاحب کچھ دیر پہلے کمرے میں تھے۔"

"ہاں!"

"تو آپ بھی ہمارے ساتھ یہیں بیٹھ جائیں... تاکہ آپ کو اطمینان رہے... کہ ہم یہاں سے کچھ چرانے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے سر... یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے کسی کو۔"

"تب تو آج آپ بھی بیٹھیں ... خان رحمان ... ذرا ان صاحب

کو بٹھا لو۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے مطلب اس کی سمجھ میں آ گیا... خان رحمان کا ایک ہاتھ اس کے لگا تھا... اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا...

"اس کمرے میں ضرور کوئی تہ خانہ ہے... میں ابھی چند منٹ کی کوشش سے تلاش کر لیتا ہوں۔" انھوں نے کہا اور جلدی جلدی اپنا کام کرنے لگے... اچانک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور دیوار میں ایک عدد دروازہ نمودار ہو گیا...

انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... اندر داخل ہو گئے... اب ان کے سامنے ایک سرنگ تھی... ٹارچ کی مدد سے وہ اس میں چلتے رہے... سرنگ ایک دوسری عمارت پر ختم ہوئی... وہ نہایت خاموشی سے اس عمارت میں داخل ہو گئے... اچانک ان کے کانوں سے کسی کی آواز ٹکرانے لگی... آواز سے یوں معلوم ہوتا تھا... جیسے وہ آدمی کوئی تقریر کر رہا ہو... وہ کہ رہا تھا:

"ہمارا مشن پوری کامیابی سے جاری ہے... اس شہر میں ہمیں اس قدر کامیابی ہوئی ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ہمارے اصل دشمن بھی گرفتار کیے جا چکے ہیں... اس عمارت کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے کہ میں نے صدر صاحب سے بات کی... انھوں نے فوراً پولیس بھیج دی... اور انھیں گرفتار کر لیا

گیا... لہٰذا اب ہم یہاں سے دوسرے شہروں تک اپنا دائرہ بڑھائیں گے... بہت جلد اس ملک کی آبادی بہت بڑی تعداد میں کم ہو جائے گی... موجودہ صدر پہلے ہی ہماری مٹھی میں ہے... لہٰذا ہم اپنا کام کرتے چلے جائیں گے... ان کی لاشوں کو ہم سمندر میں ڈالتے چلے جائیں گے... لاشیں مچھلیوں کے کام آئیں گی... تم جانتے ہی ہو... سمندر کوئی چھوٹی سی جگہ نہیں ہوتی... اب کچھ میں اپنے بارے میں بتاؤں گا... مجھے مدت پہلے یہاں بھیج دیا گیا تھا۔"

اس کی تقریر جاری تھی... انھوں نے آگے بڑھنا شروع کیا، آخر وہ ایک ہال تک پہنچ گئے... اس کے دروازے پر کوئی پہرے دار نہیں تھا... عمارت کا بیرونی دروازہ اندر سے بند تھا... وہ یہاں سے تو نظر نہیں آ رہا تھا... لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ آگے جا کر اس کا جائزہ بھی لے آئے تھے... عمارت کے باہر بھی کوئی فورس وغیرہ نہیں تھی... گویا ان کی گرفتاری کے بعد وہ بالکل بے فکر ہو گئے... انھوں نے سنا... وہ کہہ رہا تھا:

"پھر جو حکم ملتا رہا... میں اس پر عمل کرتا رہا... ظاہر میں میں یہاں ایک کم پڑھے لکھے آدمی کی زندگی گزارتا رہا... کوئی میرے بارے میں کبھی سوچ بھی نہ سکا کہ میں اصل میں کام کیا کرتا ہوں گا... میں نے ہی اس ملک میں ہیروئن کی بنیاد ڈالی، اس وقت تک لاکھوں لوگ ہیروئن کے عادی بنوا چکا ہوں... اور ان سب کو ہم جب چاہیں... یہ گولی کھلا سکتے ہیں... وہ کھانے سے انکار کر ہی نہیں سکتے... اگر کوئی انھیں کہہ دے کہ یہ گولی زہر کی ہے... تو بھی وہ اس بات پر اعتبار نہیں کریں گے۔"

وہ کہتا چلا جا رہا تھا... اور وہ آہستہ آہستہ اپنا کام کر رہے تھے... ابھی وہ ہال کے باہر ہی موجود تھے... اور ہر طرح سے اپنا کام پکا کر رہے تھے... تاکہ ان میں سے ایک بھی فرار نہ ہو سکے...

"میں اپنے ملک کا ایک بہت زیادہ پڑھا لکھا اور بے شمار علوم کا ماہر خیال کیا جاتا ہوں... اور اسی بنیاد پر مجھے یہاں بھیجا گیا تھا... لیکن... یہاں رہا کس روپ میں ہوں... یہ آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"لیکن میں سوچ بھی سکتا ہوں اور سمجھ بھی۔"

ہال میں ایک آواز گونجی... وہ سب اچھل پڑے...

باس

باس تو ان سب سے زیادہ اچھلا تھا... چند لمحے تک موت کا سناٹا طاری رہا... پھر اس نے گرج دار آواز میں کہا:

"یہ کون بولا تھا؟"

"میں!" آواز ابھری۔

"میں کون... نام بتاؤ... سامنے آؤ... کہاں ہو تم؟"

"نام بھی بتاؤں گا... سامنے بھی آؤں گا اور کام بھی بتاؤں گا... لیکن تم صرف اور صرف ایک کام کرو گے؟"

"اور وہ کیا؟"

"خود کو ہمارے حوالے کر دو گے۔"

"ارے! آخر تم ہو کون؟"

"ابھی یہ نہ پوچھو... سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو... ورنہ بھون کر رکھ دیے جاؤ گے... یہ بھی سن لو کہ عمارت کے تمام دروازے بند کر دیے گئے ہیں... اس طرح کہ اب تم لوگ ان دروازوں کو

کھول نہیں سکتے... تہ خانے کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا ہے... اب باس صاحب اس راستے سے فرار ہو کر اپنے اصل کمرے تک نہیں جا سکیں گے۔"

"تہ خانہ... کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"تو تم نہیں جانتے... اس عمارت کے نیچے ایک سرنگ بھی ہے۔"

"نہیں۔"

"ارے بھئی... اس سرنگ کے راستے ہی تو تمھارے باس آتے جاتے ہیں۔"

"اوہ... اوہ۔" وہ سب بولے۔

"تم لوگوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے... اچھا پہلے ایک نمونہ دیکھ لو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان میں سے ایک آدمی کے کان کی لو اڑ گئی... جب کہ گولی چلنے کی آواز سنائی نہیں دی...

"یہ تو تھا ایک نمونہ... اب میں ایک دوسرے شخص کے کان کی لو اڑا رہا ہوں... اس شخص کے سرخ ٹوپی ہے... سرخ ٹوپی والا کوئی اور اندر موجود نہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی سرخ ٹوپی والے کے منہ سے بھیانک چیخ نکل گئی... اس کے کان کی لو بھی اڑ گئی تھی...

"اب بھی ہاتھ اٹھاتے ہو یا نہیں۔"

"ہرگز نہیں" باس غرّایا۔

"لیکن تمہارے ساتھی تو اٹھانے کو تیار ہیں... دیکھ لو، ان کے ہاتھ تو اٹھ بھی گئے" انھوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

باس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا... تو ان کے اٹھے ہوئے ہاتھ گر گئے:

"کہاں اٹھے ہوئے ہیں ہاتھ"

"تو پھر اب ایک اور کان کی لَو اڑے گی"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک اور چیخ گونجی... اور مشینی انداز میں ان کے ہاتھ اٹھ گئے...

"کون ہو تم... سامنے آکر بات کرو"

"سامنے بھی آئیں گے... ویسے تم ہمیں پہچانتے ہو اچھی طرح اور جانتے ہو کہ یہ ہم ہی ہیں... اب تم بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو"

"یہ نہیں ہو سکتا... میرے کان کی لو اڑا کر دکھاؤ تو مانوں"

"اوہو اچھا... تو پھر یہ لو... تم بھی کیا یاد کرو گے"

انھوں نے فائر کیا... لیکن باس کی چیخ نہ سنائی دی... البتہ اس کا قہقہہ ضرور سنائی دیا... اس کے کان کی دونوں لویں محفوظ تھیں

"یہ کیا ہوا ابا جان"

"گولی اچٹ کر بھی کسی کو نہیں لگی... یہ کیا چکر ہے" خان رحمان بڑبڑائے۔

"اس کے گرد ضرور کسی قسم کی لہریں ہیں... ان لہروں سے کوئی چیز گزر نہیں سکتی... بلکہ پھسل کر اِدھر اُدھر گر جاتی ہے" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ! تب تو اسے دو دو ہاتھ کرنا ہوں گے"

"کوئی بات نہیں" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولے:

"دوستو... تمہارے باس نے اپنی حفاظت کا تو پورا پورا انتظام کر رکھا ہے... لیکن اس نے تمہارے لیے کچھ نہیں کیا... لہٰذا تمہارے کانوں کی لویں محفوظ نہیں... تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو... نہیں تو ہم بھون کر رکھ دیں گے... اس وقت تک تو صرف کانوں کی لویں اڑائی گئی ہیں"

ان کے ہاتھ اٹھ گئے...

"خبردار... ہاتھ نیچے گرا دو... میرے ہوتے ہوئے... یہ لوگ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"

"لیکن باس... اس وقت تک تین آدمی زخمی ہو چکے ہیں"

"تو کیا ہوا"

"نہیں باس... یا تو آپ ان لوگوں کا کچھ بگاڑ کر دکھائیں، ورنہ پھر ہم ان کے احکامات کی تعمیل کریں گے"

"کیا بکتے ہو"

"ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں باس... آخر آپ ان لوگوں سے کس طرح بچ گئے۔"

"میرے گرد لہروں کا جال ہے۔"

"وہ جال ہمارے گرد کیوں نہیں ہے۔" کسی نے کہا۔

"بہت خوب! بہت اچھا سوال ہے... اس سوال کا جواب اپنے باس سے ضرور لیں۔"

"یہ لہریں اس قدر عام نہیں ہیں۔"

"ہم عام ہیں۔" کسی نے کہا۔

"بکواس مت کرو... اٹھو... دروازے کھول دو... اور ان لوگوں کو گرفتار کر لو۔"

"شاید آج تم لوگوں کے باس کا دماغ ٹھیک نہیں ہے... اسے پکڑ کر جکڑ دو... تم لوگوں کے لیے نرم سزا کی سفارش کی جائے گی۔" انھوں نے کہا۔

"نرم سزا... ہاہاہا... تم اور انھیں سزا دلواؤ گے... تمھارے تو اپنے دن گنے جا چکے ہیں... تمھیں ملازمت سے نکال دیا گیا۔"

"بالکل غلط... ہم نے اپنے سے ملازمت کو نکال دیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"چلو دوستو... پکڑ لو اپنے باس کو... نہیں تو ہم تم لوگوں کو بھون ڈالیں گے... اور پھر باس سے دو دو ہاتھ کریں گے۔"

"اور اگر ہم باس کو پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں۔"

"یہی تو ہم چاہتے ہیں۔"

"ہم ایسا کریں گے... ضرور کریں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ سب باس کی طرف بڑھے... لیکن پھر گرتے چلے گئے... باس نے ان پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی تھی...

"تم لوگوں نے دیکھ لیا... باس صاحب تمھارے کتنے ہمدرد ہیں، تم لوگوں کو گولیوں سے بھون ڈالا۔" محمود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں! بھون ڈالا... اور اب تمھاری باری ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے ہال کے دروازے پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی... دروازہ اکھڑ کر گرا... وہ بے دھڑک باہر نکلا... کیوں کہ جانتا تھا... دوسری طرف کی فائرنگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی... لیکن جونہی وہ باہر نکلا... انسپکٹر جمشید اس کے سر پر گرے... وہ اونچائی پر کسی جگہ بیٹھے تھے... باس دھم سے گرا... کلاشن کوف اس کے ہاتھ سے نکل گئی... دونوں گڈمڈ ہونے لگے... لیکن صرف ایک منٹ بعد باس کے کس بل نکل گئے، اور اسے جکڑ لیا گیا... وہ سر سے لے کر پیر تک سیاہ لباس میں تھا:

"اور اب صرف اس کی نقاب نوچنا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن نقاب نوچنے سے پہلے ہی اگر تم بتاؤ کہ یہ کون ہے

تو مزے کی بات ہے۔"

"یہ کیا مشکل بات ہے ابا جان..."

"اچھا! یہ بات ہے... ویسے اس نے چکر دینے کی کوششیں بہت کی ہیں... بس اس کی یہی کوشش رہی کہ ہم کسی اور کو مجرم خیال کرتے رہیں... مثلاً فون پر بات کرتے ہوئے اس نے خاص انداز میں ہنس کر دکھایا... میں نے سوچا کہ یہ ہنسی جس کی ہو گی... بس وہی مجرم ہے... لہٰذا میں اس مہم پر نکلا... اور ایک صاحب کی ہنسی ایسی نظر آ بھی گئی... لیکن جب اس کی نگرانی کرائی گئی... تو اس کی حرکات اور سکنات سے کوئی بات ایسی معلوم نہ ہوئی... جس کی بنا پر ہم اسے مجرم خیال کر سکتے... اس طرح ہم نے تمام پہلوؤں سے کیس کا جائزہ لیا... محمود اب تم بتاؤ... یہ کون ہے اور کس بنیاد پر تم نے اندازہ لگایا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"تنویر شابر کی موت ہمارے سامنے ہوئی تھی... اس وقت ہمارے ساتھ سیٹھ گڈو تھے... اور سیٹھ گڈو تنویر شابر کا بھی نام تھا... یہی چیز ہمیں سیٹھ گڈو کو وہاں لے جانے کا سبب بنی تھی۔"

یہ کہہ کر محمود نے سیٹھ گڈو نام کے بارے میں بھی وضاحت کی... پھر بولا:

"ہماری موجودگی میں ہی تنویر شابر گر کر تڑپنے لگے تھے... ہم

باہر کی طرف بھاگے... اس وقت ہم نے صاف دیکھا تھا... سیٹھ گڈو کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نہیں تھے... ورنہ ان دنوں اس قسم کی لاش کے پاس سے بھاگنے والے پوری طرح بدحواس ہو جاتے ہیں... تو پھر صاف ظاہر ہے... وہ اگر بدحواس نہیں تھا تو اس معاملے سے اس کا بھی تعلق تھا... اور اس نے کسی نوک دار چیز کے ذریعے زہر تنویر شابو کے جسم میں داخل کیا تھا... اب اس کا نقاب اتار کر دیکھ لیں... بات ثابت ہو جائے گی۔"

"فرزانہ... فاروق تم کیا کہتے ہو؟"

"وہی جو بڑا بھائی کہتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

اور پھر نقاب الٹ دیا گیا... ان کا اندازہ بالکل درست نکلا، وہ ہوٹل ساہو کا مالک سیٹھ گڈو ہی تھا...

"آؤ چلیں... خفیہ فورس والے ان لوگوں کو خود ہی سپیشل جیل پہنچا دیں گے... ہمیں تو ابھی صدارت والا معاملہ بھی سیدھا کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اسی وقت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے پاس آئے... انسپکٹر جمشید جانتے تھے کہ وہ بہت پکے سچے مسلمان آدمی ہیں... انھوں نے سارے حالات ان کے سامنے رکھے اور ان سے قائم مقام صدر بننے کی درخواست کی...

"لیکن یہ کیسے ہو گا؟" وہ بولے۔

میں فوج کے کمانڈر انچیف کو بھی لے آتا ہوں... اعلان کر دیا جائے گا... کہ ملک میں وقتی طور پر مارشل لا لگا دیا گیا ہے، فوری طور پر انتخابات کی تاریخ کا بھی اعلان کر دیا جائے گا... اور آپ کی نگرانی میں یہ انتخابات ہوں گے... جو صدارت کا حق دار ثابت ہو گا... بن جائے گا۔"

"ٹھیک ہے... ان حالات میں اس کے سوا کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" وہ بولے۔

اور پھر اس ترکیب پر عمل کیا گیا... صرف پندرہ دن بعد ملک میں نئے انتخابات کرا دیے گئے... انسپکٹر جمشید کی کوششوں سے ایک بہت ہی سچے مسلمان صدر بننے میں کامیاب ہو گئے... اور ملک میں ایک بار پھر امن کا دور دورہ ہو گیا... انھوں نے اطمینان کا سانس لیا... سابق صدر اور سازشی ٹولہ اب سپیشل جیل میں تھا، اور اپنی باقی زندگی انھیں جیل میں رہنا تھا... نئے صدر کے تحت ان لوگوں کو ہمیشہ کے لیے جیل کی سزائیں سنا دی گئی تھیں...

ایسے ہی ایک دن مونا ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی:

"اوہ! مونا کو تو ہم بھول ہی گئے... کہو مونا... تمھارا کیا حال ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں... لیکن بہت تنہائی محسوس کرتی ہوں۔"

"نہیں! اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہو تو ضرور رہو... لیکن اگر

پسند کرو... تو میرے ایک دوست کی کوئی اولاد نہیں ہے... وہاں تم زیادہ خوش رہو گی؟"

"جی... جیسے آپ کی مرضی۔"

مونا نے کہا... اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... شاید اسے اپنے مجرم باپ کا خیال آ گیا تھا...

لاہور
میں ہمارے ڈیلر

○ رفیق مغل نیوز ایجنسی
اعجاز مارکیٹ ، ہسپتال روڈ ، لاہور فون : ۳۵۸۲۴۹

○ علی میاں بُک سیلرز
۲۰۔غزنی مارکیٹ ، اُردو بازار ، لاہور فون : ۲۲۳۸۳۵

○ صابر اکیڈمی
چوک نسبت روڈ ، لاہور فون : ۲۳۰۷۸۰

○ لاہور میں اشتیاق احمد کے نئے اور پُرانے ناول مندرجہ بالا ڈیلران سے خرید فرمائیں۔
○ اگر ناولوں کے حصول میں کسی قسم کی دقت ہو تو براہِ راست دفتر سے رابطہ قائم کریں :

اشتیاق پبلی کیشنز ○ ۹/۱۲ نصیر آباد ○ مسلم پورہ ○ سانده کلاں ○ لاہور

فون : ۳۲۱۵۲۷

فائدے کی بات

○ ان شاءَ اللہ آیندہ ماہ آپ "رُوحوں کی واپسی" (۱۸روپے) "دھماکے کا مجرم" (۱۸روپے) "باورچی خانے میں لاش" (۱۰روپے) "موت کی حویلی" (۱۰روپے) "جاسوس آنکھیں" (۱۰روپے) "انگوٹھی کا چور" (۱۰روپے) "سُپر بلڈنگر" (۱۰روپے) اور "نیا باس پُرانا گروہ" (۱۸روپے) پڑھیں گے۔ ان تمام ناولوں کی کُل قیمت ۱۰۴ روپے بنتی ہے۔ یہ تمام ناول ایک ساتھ منگوانے پر ادارہ آپ سے رعایتی قیمت صرف ۸۴ روپے وصول کرے گا۔
○ اگر آپ اشتیاق احمد کے نئے دو منی خاص نمبر "روحوں کی واپسی" اور "دھماکے کا مجرم" منگوانا چاہتے ہیں تو ادارہ آپ سے ۳۶ روپے کی بجائے ۲۸ روپے وصول کرے گا۔ ناول بذریعہ ارسال کیے جاتے ہیں۔
○ پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا۔
○ اس طرح بھی آپ کو ناول گھر بیٹھے ملنے کے ساتھ ساتھ دو منی خاص نمبروں پر ۲ روپے اور مکمل سیٹ پر ۱۵ روپے کی بچت ہو گی۔ ہے نا فائدے کی بات —— خط لکھ کر آرڈر دیں۔

آرڈر بھیجنے کا پتا :

اشتیاق پبلی کیشنز ، ۹/۱۲ نصیر آباد ، مسلم پورہ ، سانده کلاں ، لاہور (فون : ۳۲۱۵۲۷)

- ○ ہوٹل کے ہال میں قصبے کے ایس پی صاحب موجود تھے۔
- ○ انھوں نے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو عجیب و غریب باتیں کرتے سنا۔
- ○ وہ بموں کے دھماکوں کی باتیں کر رہے تھے۔
- ○ ان دنوں قصبے میں ہر روز کہیں نہ کہیں بم کا دھماکا ضرور ہوتا تھا۔
- ○ دھماکا ہر روز شام کے پانچ بجے ہوتا تھا۔
- ○ تینوں کی باتوں نے ایس پی صاحب کے کان کھڑے کر دیے۔
- ○ ایک چوک میں ایک دلچسپ صورتِ حال۔
- ○ اس چوک میں ایک بم چھپایا گیا تھا۔ آفتاب، آصف اور فرحت بم تلاش کرنے کے لیے اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتے ہیں۔
- ○ جب کہ بم سکواڈ بم تلاش نہ کر سکا۔
- ○ ہوٹل کے مالک سلطان گومی سے ملیے۔
- ○ رانا چھانگا کون تھا۔ ایک دلچسپ ڈرامائی شخصیت۔
- ○ آپ الجھ کر رہ جائیں گے۔
- ○ انسپکٹر کامران مرزا کہاں تھے؟
- ○ آپ انھیں پورے ناول میں ڈھونڈتے پھریں گے، وہ آپ کو نظر نہیں آئیں گے۔

- لیکن وُہ پورے ناول میں موجود ملیں گے ۔
- مجرم کیا چاہتا تھا ۔
- انسپکٹر کامران مرزا کو ایک طویل خط ملا تھا ۔ اس خط کو پڑھ کر وُہ حرکت میں آ گئے ۔
- یہ حرکت انھیں کہاں لے گئی ۔
- انوکھے انداز کا ناول ۔ جس میں نیا اور پُرانا انداز دونوں جمع ہو گئے ہیں ۔
- ان لوگوں کے لیے بھی ۔ جنھیں یہ شکایت عام تھی کہ میں اب انسپکٹر کامران مرزا کے ناول نہیں لکھتا ۔
- لیجیے ۔ اب ہر دوسرے ماہ آپ کو کامران مرزا سیریز کے ناول بھی ملا کریں گے ۔
- آفتاب ، آصف اور فرحت کی شوخیاں آپ کو مسکراہٹوں کے تحائف دے جائیں گی ۔
- آپ ان تحائف کو سنبھال کر رکھیے گا ۔
- اپنی طرز کا انوکھا ناول ۔
- آپ نے ایسا ناول شاید پہلے زندگی میں نہ پڑھا ہو گا ۔
- اگر آپ کو ناول حاصل کرنے میں کوئی مشکل پیش آئے تو براہِ راست ادارے سے بذریعہ وی پی صرف ایک خط لکھ کر منگوائیں ۔

○ میجر فاروقی کو ان کی بیٹی نے صبح جگایا تو انھوں نے کہا۔ تم کون ہو۔ میں یہاں کیسے پہنچ گیا۔ میں تو رات اپنے گھر میں سویا تھا۔

○ بیٹی دھک سے رہ گئی۔

○ میجر فاروقی اس گھر کو کسی طرح اپنا گھر ماننے پر آمادہ نہیں تھے۔

○ بلکہ ان کا کہنا تو یہ بھی تھا کہ وہ میجر فاروقی نہیں ہیں۔ وہ تو شامی ہیں۔

○ ان کے گھر والے بُری طرح چکرا گئے۔

○ وُہ اپنے اس گھر کی طرف جانے کے لیے تُل گئے، جس کو وُہ اپنا گھر بتا رہے تھے۔

○ اور جب وُہ گھر سے نکلے تو دروازے پر ایک خستہ حال نوجوان آ موجود ہوا۔

○ اس کا کہنا تھا۔ وُہ میجر فاروقی ہے۔

○ لیکن اسے کوئی میجر فاروقی ماننے پر تیار نہیں تھا۔ چوکیدار نے تو اسے دھکے دینا شروع کر دیے۔

○ وُہ چلاتا رہا۔ میں میجر فاروقی ہوں۔ لیکن کسی نے نہ مانا۔

○ اور جس کو وُہ میجر فاروقی مان رہے تھے۔ وُہ شخص

خود کو میجر فاروقی ماننے پر تیار نہیں تھا۔

○ اپنی طرز کا انوکھا ناول۔

○ حیرت ہی حیرت۔

○ آپ کے محبوب کرداروں کے لیے انوکھی مشکلات۔

○ ان مشکلات میں ان کے دوست پروفیسر داؤد اور خان رحمان کس طرح لپیٹ میں آئے۔ آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

○ ایک عیار ترین مجرم کی کہانی۔

○ وہ کیا چاہتا تھا؟

○ ایک ایسا سوال جس کا جواب آپ کو ناول کے آخر میں ملے گا۔

○ فیشا غورث سے ملیے۔

○ یہ کون تھا؟

○ یہ ناول پڑھتے وقت آپ محسوس کریں گے۔ جیسے آپ کی روح آپ کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ اور آپ میں کسی دوسرے کی روح حلول کر گئی ہے۔

○ ہے نا خوف ناک خیال۔ لیکن ——

○ لیکن کے بعد والی بات اس سے بھی زیادہ خوف ناک ہے۔ لہٰذا آپ خود ہی پڑھ لیجیے گا۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ فروری کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱

باورچی خانے میں لاش

مصنف: اشتیاق احمد

- محمود، فاروق اور فرزانہ کو ایک خط ملا۔
- خط ڈاک سے آیا تھا۔
- خط کے الفاظ بہت عجیب تھے۔
- وہ خط لکھنے والے سے ملے، لیکن اس نے خط نہیں لکھا تھا، خط لکھنے والا کون تھا؟
- ایک گھر کے باورچی خانے میں ایک لاش پڑی تھی۔
- لاش کس کی تھی؟
- آپ کو جب مجرم کے بارے میں پتا چلے گا تو آپ دھک سے رہ جائیں گے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ فروری کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۲

مصنف: اشتیاق احمد

- محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کی گوشت کے پہاڑ سے ملاقات۔
- قصبہ دل دار کی حویلی موت کی حویلی کے نام سے مشہور تھی۔
- حویلی کے بڑے ہال میں انھیں خوف ناک اور دل ہلا دینے والے مناظر دیکھنے پڑے۔
- پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی ان کے ساتھ حویلی میں۔
- انسپکٹر جمشید کہ اٹھتے ہیں، شاید ہم آسیبی چکر میں گھر گئے ہیں۔
- قدم قدم پر رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوں گے، ہمارا مشورہ ہے، آپ اس ناول کو رات کے وقت نہ پڑھیں۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ فروری کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۶

جاسوس آنکھیں

مصنف: اشتیاق احمد

- آصف کے والد سے ملیے ۔
- افریقہ میں وہ ایک عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے ۔
- اس مصیبت سے نکلنے کے لیے انھیں انسپکٹر کامران مرزا کو بلانا پڑا ۔
- انسپکٹر کامران مرزا آفتاب اور آصف کے ساتھ افریقہ کے سفر پر روانہ ہو گئے ۔
- وہاں انھیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ۔ آپ حیران رہ جائیں گے ۔
- ایک انتہائی حیرت انگیز ناول ۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ فروری کو پڑھیے | قیمت ۱۰ روپے

شوکی سیریز ۶

انگوٹھی کا چور

مصنف: اشتیاق احمد

- اُن کے دفتر میں ایک خوف ناک آدمی کی آمد ۔
- خوف ناک آدمی نے انھیں ایک عدد دھمکی سے نوازا ۔
- دوسری مرتبہ وہ ان سے اور بھی بُری طرح پیش آیا ۔
- وہ ان سے کیا چاہتا تھا ؟
- ایک گھر میں تین افراد تھے ۔ تین میں سے ایک انگوٹھی کا چور تھا ۔
- انگوٹھی کہاں تھی ؟
- شہر میں عجیب وارداتیں کون کر رہا تھا ؟
- ایک عجیب ناول ۔

o سُپر بلڈنگز : مصر کے اہرام

اہرام کیا ہیں — کیوں بنائے گئے — سب سے بڑا ہرم اور جدید علوم — اہرام توانائی کا ذریعہ — توتن خامن کے مقبرے کی دریافت اور سائنس دانوں کی پُر اسرار اموات —

مصر کی ایک شہزادی کا تابوت — اور پُراسرار اموات — شہزادی کی حیرت انگیز آنکھیں (تابوت کی اصل تصویر) — توتن خامن کا خزانہ — تصاویر — قدیم مصری زبان اور تصاویر — اہرام کیسے بنائے گئے — بہت سی اصل تصاویر —

o سُپر ٹرائی اینگل : برمودا ، نئے انکشافات

برمودا ٹرائی اینگل میں پیش آنے والے حیرت انگیز چند واقعات — اس خطے میں نظر آنے والے "چمک دار پانی" کی اصل تصویر — WIND SHEAR — ہوائی جہازوں کے لیے ایک نیا مسئلہ — زلزلے کیسے آتے ہیں — برمودا اور زلزلے — چٹانوں سے پُر اسرار شعاعیں — ایکسرے لیزر — امریکہ کا شار وار پروگرام اور برمودا —

- حیرت انگیز معلومات اور جدید تحقیق پر مبنی ایک باتصویر کتاب —
- آپ نے اس قدر حیرت انگیز کتاب شاید آج تک نہ پڑھی ہو گی —
- اس کتاب کو پڑھتے وقت آپ سعید مختار کی کاوش کی داد دیتے نظر آئیں گے —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ فروری کو پڑھیے | قیمت ۱۸ روپے

منی خاص نمبر

انسپکٹر ارسلان سیریز ۸۴

ناول نمبر ۸۴

نیا باس پرانا گروہ

مصنف : آفتاب احمد

- اچانک شہر میں پندرہ بیس کے قریب انسان ایک عجیب و غریب بیماری میں مبتلا ہو گئے۔
- ملک بھر کے ڈاکٹر اس مرض کے علاج میں ناکام ہو گئے۔

مرض پھیلتا گیا، یہاں تک کہ انسپکٹر ارسلان پارٹی بھی لپیٹ میں آ گئی۔

- سپرنگ کی آمد۔ سپرنگ پاک لینڈ میں کیوں آئی؟ اس کا پروگرام کیا تھا؟
- ارسلان پارٹی اس کے راستے میں کیسے آئی؟
- بابر اور توقیر ایک انسانی ہاتھ لے کر تجربہ گاہ کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں حملہ ہوا، حملہ آور ہاتھ کیوں حاصل کرنا چاہتے تھے؟
- اس انسانی ہاتھ میں کیا بات تھی؟
- رفعت نے ہاتھ دیکھتے ہی ایک انکشاف کیا۔
- ایم۔ ٹی ایک پُراسرار شخصیت۔
- انسپکٹر ارسلان نے صدر صاحب سے ایک خاص ملاقات کی۔
- آخر میں جب ارسلان پارٹی گولیوں کا نشانہ بن کر ہسپتال میں جا پڑی تو ایسے میں ایک شخص میدان میں نکلا۔
- وُہ عین وقت پر نکلا اور اس نے ملک کے خلاف اُٹھنے والے ناپاک قدم کو عین وقت پر ہی کاٹ ڈالا۔
- پاک لینڈ کے سب سے خطرناک دشمنوں کی ملک کے خلاف ایک گہری سازش، جس کے خواب وُہ ۴۵ سال سے دیکھ رہے تھے۔
- وہ خواب کیا ہے؟ ایک ہولناک خواب — ضرور پڑھیے!

تحریک ختم نبوت 1953

ترتیب و تحقیق:

مولانا اللہ وسایا

مجلس احرار اسلام

مولانا تاج محمود فرماتے ہیں، مجلس احرار اسلام جو اس مسئلہ کی بہت بڑی داعی تھی ۱۹۴۹ء میں اپنی سیاسی حیثیت ختم کر کے صرف اسی محاذ پر کوشاں تھی اور اس کے بے شمار کارکن سیاسی کام کرنے کے لئے مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے' اگرچہ احرار کا یہ فیصلہ ایک بہت بڑی سازش کا نتیجہ تھا حکومت کے افسروں میں بیورو کریسی کے نمائندوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ ملک میں مسلم لیگ پر زوال کا آغاز ہو چکا ہے۔ رد عمل کے طور پر لوگ دن بدن مسلم لیگ سے بدظن ہو کر قدرتی طور پر کسی اور جماعت کی حمایت کے لئے مجبور تھے احرار کلمہ حق بلند کرنے کے عادی تھی ان کے کلمہ حق کا آغاز ہو چکا تھا۔ مجلس احرار ملک کی اپوزیشن جماعت کی حیثیت سے مقبول ہو رہی تھی۔ اور اگر احرار لیڈر سازش کا شکار نہ ہوتے تو مسلم لیگ کے بعد احرار ہی ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت اور ملک کی اپوزیشن پارٹی بن جاتے۔ لیکن وہ بیوروکریسی کی معنوی اولاد کی چالوں کو نہ سمجھ سکے' اور نہایت سادہ لوحی کا مظاہرہ کر کے سیاسی طور پر مات کھا گئے۔

میں وی اوتھے ای پایا

مجھے یاد ہے کہ لاہور میں احرار کانفرنس ہوئی۔ دس ہزار رضا کار جمع تھے۔ جب کارکنوں

کا خاص اجلاس منعقد ہوا تو اس میں جماعت کی سیاسی حیثیت ختم کرنے کی قرارداد پیش کی گئی۔ اس کے الفاظ بڑے خوبصورت تھے۔ کہ جماعت آئندہ تبلیغی کام کرے گی۔ کارکنوں اور رضاکاروں کو سخت صدمہ تھا۔ لیکن کوئی پیش نہیں جا رہی تھی۔ حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ پہلے تو کارکنوں اور رضاکاروں کے حق میں رہے۔ آخر انہیں بھی باقی لیڈروں نے خدا جانے کیا کہہ کر رام کر لیا۔ رات کو احرار کونسل کا اجلاس ہوا تجویز پیش کی گئی کہ جماعت کو سیاسی طور پر ختم کر دیا جائے۔ تبلیغی کام کرے' اور جس نے سیاسی کام کرنا ہو' وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کرے شاہ صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بھائی اپنی اپنی رائے دو غالباً ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کا ایک کارکن کھڑا ہو گیا اس نے کہا شاہ جی میں ایک بات سنانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد اپنی رائے عرض کروں گا۔ ایک فقیر تھا نعت خوانی وغیرہ کر کے گداگری کیا کرتا تھا۔ اس کا ساتھی مر گیا اب اسے کسی دوسرے ساتھی کی ضرورت پڑی اس نے ایک راہ گیر کو کچھ معاوضہ پر ساتھ رکھ لیا۔ راہ گیر نے عرض کیا میری ڈیوٹی کیا ہو گی۔ نعت خواں نے کہا جو مصرعہ میں پڑھوں تو اسی طرح اسے دہرا دیا کرنا راہ گیر نے کہا بہت اچھا صبح سویرے ایک امیر کے دروازے پر جا کر اس نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور یہ مصرعہ پڑھا لوٹا بھریا نور دا تے منہ بولنے دے پایا۔ راہ گیر کو مصرعہ تو پڑھنا نہ آیا' اس نے جھٹ کہا "میں وی اوتھے ای پایا" جنرل کونسل کے تمام مندوبین ہنس پڑے کارکن نے یہ لطیفہ سنا کر سب کو ہنسایا دیا۔ لیکن خود بڑی سنجیدگی اور گلوگیر آواز سے کہنے لگا شاہ جی آپ ہم سے کیا رائے پوچھتے ہیں جو فیصلہ آپ کا وہ ہمیں منظور ہے۔ ہماری سمجھ میں یہ فیصلہ نہیں آ رہا لیکن اگر آپ کا حکم ہے تو ہمیں منظور ہے۔ بہرحال مجلس احرار اسلام سیاسی حیثیت سے ختم کر دی گئی۔ اس فیصلہ کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ اس فیصلہ کا خیر مقدم افسر شاہی کے ہیڈ خواجہ ناظم الدین نے بذریعہ تار کیا اور نوائے وقت کے شہرہ آفاق ایڈیٹر حمید نظامی نے مقالہ تحریر کر کے لکھا کہ یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔

فیصلہ کے روشن پہلو

اگرچہ سیاسی طور پر یہ فیصلہ غلط تھا لیکن اس فیصلے کے کچھ روشن پہلو بھی تھے۔ مجلس احرار کے مجھے ہوئے سیاسی کارکن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اگرچہ مسلم لیگ کے لیڈروں نے احرار لیڈروں پر اپنے دلوں کے دروازے بند رکھے لیکن کارکن اور رضا کار لیگ میں کافی

اثر و رسوخ حاصل کر گئے مسلم لیگ اور احرار کی چپقلش ختم ہو گئی۔ تعصب کم ہو گیا اب مجلس تحفظ ختم نبوت اور احرار کے رہنما جو بات عوام کو قادیانیت کے فتنہ لبادہ کے متعلق کہتے تھے وہ لوگ بلا تعصب سننے لگے۔ خود مسلم لیگ میں ایک بہت بڑا حلقہ اس خطرے کو سوچنے اور سمجھنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت عوام میں مقبول ہونے لگ گئی۔ دوسرے طرف تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے رہنماؤں نے اہل حدیث' بریلوی اور شیعہ مکاتب فکر کے علمائے کرام کا تعاون حاصل کرنا شروع کر دیا پورے مغربی پاکستان میں عظیم کانفرنسیں ہوئیں۔ لاکھوں کے اجتماع حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی سحر آفریں تقریریں' قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی مدلل اور پر جوش تقریروں نے عوام کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کی خاطر ہر قربانی کے لئے آمادہ کر دیا۔

قادیانی درویش

ماسٹر تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں' مجلس احرار کے ترجمان روزنامہ " آزاد " نے تحریک تحفظ ختم نبوت کو اچھا خاصا سہارا دیا۔ احرار کے کیمپ میں اطلاع ملی کہ دس بیس مرزائی روزانہ پاکستان سے قادیان جاتے ہیں۔ انہیں کوئی نہیں روکتا مسلمان اگر بھارت جانا چاہیں تو انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ہم نے اس پر احتجاج کیا مگر بہرے قانون نے ہماری بات نہ سنی۔ مرزائیوں نے ربوے سے اعلان کیا کہ قادیان میں ۳۱۳ درویش مستقل طور پر قیام کریں گے۔ اس بہانے مرزائیوں نے پھر قادیان کا رخ کیا۔ آزاد نے پھر ایک نوٹ لکھا کہ کبھی یہ ۳۱۳ کی گنتی کبھی مکمل بھی ہوگی! تب دربار خلافت سے الفضل کے ذریعے اعلان ہوا کہ یہ لوگ قادیان میں ٹھہریں گے یہ درویش کہلائیں گے۔ آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ دس درویش یہاں سے جائیں گے جب وہ قادیان پہنچیں گے تو پہلے دس درویش واپس آجائیں گے۔

یہ مرزائی دس دس کی تعداد میں درویش بن کر قادیان جاتے رہے اب کون چیک کرے کہ ادھر سے کوئی واپس بھی آتا ہے کہ نہیں غرضیکہ مرزائیوں کی بھارت میں آمدورفت کے لئے پھاٹک کھلا رہا ان مرزائیوں کی راہ میں نہ کوئی سنگ گراں تھا اور نہ کوئی قدغن۔ احرار نے اس پر بار بار احتجاج کیا مگر شنوائی نہ ہوئی۔

کشمیر کا راستہ

یہی صورت حال کشمیر میں تھی ایسی خبریں سننے میں آتی رہیں کہ مرزائی اس پار سے اس پار آتے جاتے رہتے ہیں مگر ہم نے اس پر توجہ نہ دی۔ آزاد کشمیر سے اطلاع موصول ہوئی کہ وہاں مسلمانوں کی آپس میں دھڑا بندی اور چپقلش ہو رہی ہے۔ احرار کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے جہاں اس قسم کی گڑبڑ ہو اس میں اکثر بیگانہ ہاتھ ہوتا تھا دریافت لیا تو معلوم ہوا کہ اکثر کلیدی آسامیوں پر مرزائی حضرات کا قبضہ ہے ہمیں اس اطلاع سے سخت تشویش ہوئی۔ آزاد کشمیر میں بعض واقعات ایسے رونما ہوئے جنہیں دبا دیا گیا۔ ہم بھی انہیں نظر انداز ہی کر رہے ہیں۔ انہی دنوں کوہاٹ میں ایک خطرناک حادثہ پیش آیا اس کا تعلق فوج سے تھا یہاں ایک مرزائی فوجی افسر نے خود کشی کر لی تھی اس واقعہ کی خبر " انقلاح " پشاور میں شائع ہوئی۔ ہم نے اس خبر کو پڑھا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آزاد میں انقلاح کے حوالے سے یہ خبر شائع ہو گئی تو جس نے اس خبر کو پڑھا سنانے میں آ گیا۔ مسلمانوں نے مرزائیوں کو غیر معتبر سمجھنا شروع کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا محمد عبداللہ ایڈیٹر انقلاح کو مقامی حکام نے بلا کر کہا کہ آپ نے یہ خبر کیوں شائع کی۔ مولانا نے کہا کہ یہ صحیح خبر ہے اس لئے میں نے اسے شائع کر دیا تھا۔ بہرحال انہیں کہا گیا کہ ایسی خبریں شائع کرتے وقت ذرا احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اس طرح سرکاری مشینری مرزائیت کے زیر اثر کام کر رہی تھی۔ یعنی مرزائیوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی بجائے الٹا مولانا کو بلا کر مہذب الفاظ میں تنبیہہ کر دی۔ احرار نے اس خبر کو ایک بار شائع کیا اس پر کوئی نوٹ نہیں لکھا اور نہ اس کا تذکرہ تبلیغ کانفرنسوں میں کیا اس لئے کہ اوپر کا طبقہ مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں پر توجہ نہ دیتا تھا اور سر ظفراللہ کے اقتدار نے مرکز میں مضبوط بریک لگا رکھا تھا جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں سر ظفراللہ نے مرزائیت کے لئے بڑے حوصلے سے کام کیا اور بے پناہ کام کیا۔

گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر

ملک تقسیم ہونے لگا تو امت مرزائیہ کو اپنی انفرادیت کے پراپیگنڈے کی سوجھی مرزائی یہ جتانا چاہتے تھے کہ وہ ایک علیحدہ اقلیت ہیں جسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ مرزائیوں نے اپنی اہمیت جتانے کے لئے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں مرزائی فوجی افسروں کی فہرست شائع کی اس پمفلٹ کے ذریعے مرزائیوں نے خوب پراپیگنڈا کیا۔ روزنامہ " آزاد " میں مرزائی

فوجی افسروں کی فہرست شائع ہوئی تو سر ظفراللہ خاں نے کان کھڑے کئے اور مرکزی حکومت کی مشینری حرکت میں آگئی۔ مرکز نے تار ہلایا تو گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر نے مجھے گورنمنٹ ہاؤس میں بلا بھیجا۔ میں قیاس کے گھوڑے دوڑاتا ہوا حاضری کے لئے تیاری کرنے لگا۔ مجھے کبھی یہ خیال آتا کہ سردار صاحب مذہبی قسم کے آدمی ہیں مرزائیت کے سلسلے میں تھپکی دیں گے اور حوصلہ دلائیں گے کبھی خیال آتا کہ ہم نے سیاست سے کنارا کر لیا ہے لیگ کے لئے کام کا میدان کھلا ہے شائد تعاون کے بارے میں کوئی مشورہ ہوگا۔ کبھی خیال آتا کہ نشتر صاحب نے مذہبی ماحول میں پرورش پائی ہے یہ پرانے خلافتی ہیں سر ظفراللہ خاں کی مرزائیت نوازی دیکھ کر ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھی ہو گی شائد احرار کے لئے اپنی تنخواہ میں سے سر ظفراللہ کی طرح کچھ رقم وقف کر دیں گے یا مالی امداد کا وعدہ فرمائیں گے کبھی یہ گمان ہوتا کہ حضرت شاہ صاحب سے انہیں بڑی عقیدت رہ چکی ہے شائد عقیدت کی رگ پھڑک اٹھی ہو اور میری معرفت خیریت دریافت فرمانے کو بلایا ہے بہرحال میں تصورات کی دنیا میں خوش فہمی کے قلعے بناتا ہوا گورنمنٹ ہاؤس میں حاضر ہوا۔ نشتر صاحب شریف' ملنسار اور بڑے ہی خلیق انسان ہیں جونہی میں نے کارڈ بھیجا مجھے فوراً بلا لیا محبت سے ملے مگر علیک سلیک کے فوراً بعد وہ صرف گورنر رہ گئے۔ آزاد اخبار کی کاپی دکھا کر فرمانے لگے یہ آپ کا اخبار ہے؟ جی' ہاں۔ یہ فہرست آپ نے شائع کی ہے؟ میں نے عرض کیا جی فرمانے لگے معلوم ہے آپ نے اس فہرست کو شائع کر کے کتنا بڑا جرم کیا ہے اور اس سے پاکستان کو کس قدر نقصان پہنچا ہے؟ میرے تو طوطے اڑ گئے یا الٰہی وہ فہرست جسے مرزائیوں نے ہزار ہا کی تعداد میں شائع کر کے دفتروں میں تقسیم کیا' شہروں میں بانٹا اور جس فہرست کے خود مرزائیوں نے خوب ڈھول پیٹے اسے مجلس احرار نے شائع کر دیا تو کیا جرم کیا؟ میں نے سنبھل کر عرض کیا کہ سردار صاحب میں نے اسے کچھ اہمیت نہیں دی اس سے کیا نقصان ہوا ہے؟ یہ تو بے ضرر سی چیز ہے اخبارات میں ایسا کچھ چھپتا ہی رہتا ہے فرمانے لگے کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ اس سے کیا نقصان ہوا؟ میں نے بہ ادب عرض کیا کہ مجھے سمجھایئے تاکہ آئندہ کے لئے احتیاط کی جائے۔ سردار صاحب نے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ ان کے صوبہ سرحد میں میجر جنرل نذیر صاحب تمام سرحد کے انچارج فوجی افسر ہیں۔ یہ بتا کر فرمانے لگے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صوبہ سرحد بارودی صوبہ ہے۔ مرزائیوں والی بات وہاں چل نکلے تو خدا جانے کیا قیامت آجائے دوسری بات سردار صاحب نے یہ فرمائی کہ اس بات کا پراپیگنڈا کابل ریڈیو بھی کر رہا ہے۔ خدا کے

لئے پاکستان کی رسوائی کا تو سامان بہم نہ پہنچاؤ۔ سردار صاحب کی پہلی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا مگر دوسری بات نے مجھے کسی قدر اپیل کیا۔ میں خود اسے پسند نہ کرتا تھا کہ ہمارا نام لے کر کابل ریڈیو ہمارے ہی ملک کے خلاف پراپیگنڈا کرے۔ ویسے کابل والوں کو شاید اس فہرست سے زیادہ لمبی اور تازہ فہرست کا علم ہی ہو مگر مجھے آخری بات نے ضرور متاثر کیا اور میں نے سردار صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں حتی الوسع احتیاط سے کام لوں گا۔ سردار صاحب نے یہ بھی آخر میں فرمایا کہ انہیں مرکز سے ایکشن لینے کی ہدایت ہوئی تھی مرکز کا نام سن کر سر ظفراللہ خاں کا تصور میری آنکھوں کے سامنے آموجود ہوا۔

اس واقعے سے میں کسی قدر مایوس ہوا مجھے یہ شک گذرا کہ مرکز مرزائیت کے اشاروں پر چل رہا ہے مسلمان وزیر محض وزیر ہیں وہ سر ظفراللہ کے آڑے نہیں آسکتے سر ظفراللہ کی پوری مشینری پر نگاہیں ہیں وہ کسی پرزے کو ادھر ادھر ہلنے نہیں دیتے اور جس طرح چاہتے ہیں چلاتے ہیں۔ اس وقت تو صرف شک ہی تھا مگر آخر میں یہ شک یقین میں بدل گیا۔

دوسری ملاقات

پہلی ملاقات میں سردار صاحب نے مجھے بحیثیت ملزم بلایا تھا گو ان کا سلوک شریفانہ تھا دوسری بار میں خود حاضر ہوا اور مرزائی افسر کی خودکشی کا ذکر ہوا تو سردار صاحب نے "انقلاب" کا وہ پرچہ جسے میں اپنے ہمراہ لے گیا تھا ملاحظہ فرمایا جس میں اس واقعہ کی خبر درج تھی چنانچہ انہوں نے پشاور سے اخبار منگوا کر شاید اپنے پاس کسی مسل میں رکھا یا اسے اوپر بھیج دیا۔ بہرحال اس واقعے کی اطلاع پا کر سردار صاحب کو مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں کھٹک ضرور پیدا ہوئی۔ شائد اسی کھٹک نے سردار صاحب کو جب وہ گورنری چھوڑ کر مرکز میں منسٹر بنے تو مولوی منسٹر کا خطاب دلوایا۔

فرقان بٹالین

ربوہ مرزائیوں کا قلعہ بن گیا پہاڑیوں کے دامن میں دریا کے کنارے پر پل سے اس پار چنیوٹ سے بالکل قریب بہت بڑا خطہ زمین مرزائیوں کو جب تقریباً اللہ کے نام پر دستیاب ہو گیا تو مرزا محمود نے خود کو قادیان سے زیادہ محفوظ' زیادہ طاقتور اور زیادہ باوقار محسوس کیا جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں' مرزا صاحب اعلیٰ درجے کے سکیم ساز ہیں انہیں اس قلعے میں محفوظ

بیٹھ کر سلطنت کے خواب آنے لگے۔ خواب کیا وہ جاگتے ہوئے اپنی آنکھوں سے اپنی سکیموں کو کامیاب ہوتے دیکھنے لگے ربوے میں مرزائی نوجوانوں کو فوجی ٹریننگ دینے لگے فوج میں اپنے آدمیوں کو داخل کرنے لگے۔ میں یہاں کسی تفصیل میں نہیں جاؤں گا مجھے صرف ایک واقعہ عرض کرنا ہے۔ کشمیر میں گڑبڑ کے بعد مرزا محمود نے اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور انفرادیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مرزائی نوجوانوں کی فرقان بٹالین فوجی محاذ پر پہنچا دی ادھر الفضل نے فرقان بٹالین کا پراپیگنڈا کیا ادھر احرار نے خطرے کا الارم کیا اور حکومت اور عوام کو خبردار کیا کہ دیکھو مرزا محمود کس طرح فوج کو متاثر کر رہا ہے پراپیگنڈا اس قدر تیز ہوا کہ احرار رہنماؤں نے پشاور سے لے کر کراچی تک کے ڈانڈے ملا دیئے۔ مجبور ہو کر انگریز کمانڈر ان چیف کو فرقان بٹالین توڑنا پڑی مگر یہ مرزائی بٹالین اب تک یہ ثابت نہ کر سکی کہ وہ سرکاری رائفلیں کہاں ہیں جو انہیں بٹالین میں استعمال کے لئے دی گئی تھیں۔ ان رائفلوں کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں مگر اس وقت کی حکومت ان اعتراضات کو ٹھنڈا شربت سمجھ کر پی گئی۔ بٹالین ربوے واپس آئی تو اس کا استقبال ہوا اور اس کے بعد ربوے کی پہاڑیوں کی اوٹ میں فوجی پریڈ ہونے لگی۔ ان پریڈوں کے اثرات کا یہ نتیجہ ہوا کہ مرزا محمود صاحب کو بڑے مزیدار خواب آنے لگے۔

کارتوس ختم ہو گئے

فوجی رائفلیں تو خیر فوجی ہوتی ہیں امت مرزائیہ کے پاس لائسنس کا اسلحہ بھی کافی ہے۔ لائسنس کے اسلحہ کے لئے چونکہ کارتوس کی تعداد مقرر ہے اس لئے ان سے گزارہ نہیں چلتا۔ خصوصاً اس صورت میں جب بٹالین بازی اور فوجی تیاریوں کا شوق حد سے بڑھ جائے تو گنتی کے کارتوس کام نہیں دیتے۔ ربوے میں کسی مسلمان کو بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت ہے۔

(موصوف نے یہ مسودہ ۵۸ میں تحریر فرمایا اب اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے قائم کردہ آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان میں شامل تمام مکاتب فکر کی کاوشوں سے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیابی کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مساجد و مدارس 'دفاتر وہاں پر قائم ہیں ہر سال اکتوبر میں عالمی مجلس کے زیر اہتمام آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوتی ہے۔ ربوہ کی کمیٹی کے تمام محکموں کا سرکاری عملہ مسلمان ہے۔ اب وہ دن گئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا

کرتے تھے)

ممانعت نہ بھی ہو کس کا دماغ پھرا ہے کہ وہ پرائے قلعے میں داخل ہو کر خطرہ مول لے اور اندر جا کر دیکھے کہ اس نئی بستی میں جو خشک پہاڑیوں کی آغوش میں واقع ہے کیا ہو رہا ہے بہرحال انسانی آنکھوں نے کسی نہ کسی طرح اندر جا کر دیکھ ہی لیا کہ ربوہ دراصل مرزائیوں کی چھاؤنی ہے۔ کارتوس ختم ہوئے تو مرزائیوں کو دیسی ہتھکنڈوں کی سوجھی کارتوس بنانے کی مشینیں عام طور پر دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی وہ مشین لگ گئی ہوگی۔ یہ بات ہم اس لئے کہتے ہیں کہ ایک روز مرزائیوں نے چنیوٹ کے آتش باز سے جس کے پاس بارود کا لائسنس تھا ایک من دس سیر اور شائد دو چھٹانک بارود خریدا۔ بارود کی فروخت کا رجسٹر ہوتا ہے جس میں بارود کا وزن اور خریدار کا نام درج کیا جاتا ہے۔ احرار کو پتہ چلا تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح رجسٹر کے اندراجات دیکھے کسی تفتیش کے سلسلے میں تھانیدار سے بات ہوئی تو معاملہ طول پکڑ گیا تھانیدار نے تحقیقات شروع کر دی پولیس ربوے میں بھی جا گھسی معلوم ہوا کہ وہاں بارود خریدا گیا ہے۔ اس خریداری کا جواز ہمیں کوئی آج تک بتا نہ سکا۔ خواجہ ناظم الدین بھی آئیں بائیں شائیں کر کے بات کو ٹالتے رہے عوام بیدار ہو گئے مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے خوفناک ارادے عریاں ہونے لگے احرار کے مبلغ احرار کے بلند پایہ رہنما مرزائیوں کا لٹریچر اور مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے ثبوت کے پلندے لے کر تبلیغ کانفرنسوں میں مرزائیوں کا تاروپود بکھیرنے لگے مگر مرزائی بے پروا ہو کر اپنے کام میں لگے رہے وہ ہمارے وزراء کو گھیر گھار کر ربوے پہنچانے کی فکر میں تھے وزرا حکومت کے نشے میں مست تھے الا ماشاء اللہ احرار کلیجہ پکڑے پھرتے تھے کہ ملک و ملت کو کس طرح مرزائیت کے چنگل سے چھڑایا جائے۔

(جاری ہے)

خطوط کے آئینے میں

محترم اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم! اس سے پہلے ایک خط میں آپ کی توجہ چند مسائل کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ہمیں ابھی آپ کا خط ملا، پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے ہمارے خط کو پڑھ ہی لیا۔ آپ نے ہم سے ثبوت مانگا ہے تو ہم وہ پیش کرتے ہیں، لیکن ثبوت کی تہ تک پہنچنے کے لیے آپ کو خود ہاتھ پاؤں ہلانا ہوں گے۔ دیکھیے، ہم اپنے وطن کے بہت خیر خواہ ہیں اور ہمارے خیال میں تو ہم سے زیادہ اس وطن سے کوئی اور محبت نہیں کرتا۔ ہم اس کی بہتری کی خاطر ہی ایسے مسائل کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

آپ ایسا کیجیے کہ لاہور بورڈ ۱۹۹۲ء کی شائع کردہ کتاب BIOLOGY کا موازنہ اگر انگلستان کی شائع کردہ کتاب INTRODUCTION TO BIOLOGY سے کریں تو جگہ جگہ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہماری کتاب قطعی غیر مؤثر ہے۔ اور اگر ہم کچھ درست

کر کے امتحان میں لکھ دیتے ہیں تو بورڈ والے اسے رد کر دیتے ہیں اور ہمیں لکیر کا فقیر بننے یعنی کتاب کے اندر اندر رہنے کی ہدایت کر دیتے ہیں۔ ہم آپ کو صفحات کے نمبر تک بتاتے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح ہمیں پوری کتاب کے صفحات کے نمبر تحریر کرنے ہوں گے۔

اب ہم آپ کی توجہ ایک اور بات کی طرف دلاتے ہیں۔ ہمارا جو تعلیمی نظام ہے، وہ اس بات کی گواہی ہے کہ ابتدا میں بچوں کو صحیح خطوط پر تعلیم نہیں دی جاتی اور بعد میں جب انھیں ایف۔ ایس سی میں شبیر احمد (پروفیسر) صاحب کی ZOLOGY اور BOTANY کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں تو وہ اس کورس کو سنبھال نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل صرف ۳۳ فی صد طلبا ایف۔ ایس سی میں کامیاب ہوتے ہیں اور وہ طالب علم زیادہ نمبر لے جاتے ہیں جو رٹا لگا کر لکھتے ہیں یا پھر روپے...

آپ ہمارا مطلب سمجھ رہے ہیں نا! اس کے علاوہ یہ کہ سکول میں اساتذہ صرف ایم۔ ایس سی ہوتے ہیں، وہ بھی کسی ایک مضمون میں، لیکن پڑھاتے دو یا تین مضمون ہیں اور ایک دن میں اتنا زیادہ پڑھا دیتے ہیں کہ کورس تو ختم ہو جاتا ہے، لیکن طلبا کو سمجھ نہیں آتا۔

آپ اپنے شہر جھنگ کے سکولوں کا ہی اچھی طرح جائزہ لیجیے۔ لوگ آج کل انگریزی تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں اور اردو میڈیم سکول اتنے گئے گزرے ہیں کہ وہاں اب صرف غربا کے بچے ہی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ بورڈ میں جو سوالیہ پرچہ دیا جاتا ہے، اس کی لکھائی اس قدر کمزور اور چھوٹی ہوتی ہے کہ پڑھنے میں آدھ گھنٹا لگ جاتا ہے اور اگر نگران عملے کو روپے نہ لگائیں تو وہ پرچہ دیر سے شروع کرواتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کی کمی کے باعث بہت سے ذہین طلبا بھی اپنے حق سے محروم ہو جاتے ہیں — اور جب پرچہ جات پڑتال کے لیے جاتے ہیں تو ایک پرچے کی پڑتال کا معاوضہ ایک استاد کو دو تین روپے دیا جاتا ہے۔ آج کے دَور میں ایسا کون ہے جو دو تین روپے کی خاطر ایک ایک لفظ پڑھے۔ وُہ سرسری نظر دوڑاتے ہیں۔ جو نظر آیا، ٹھیک اور جو نظر نہ آیا، وُہ غلط۔

کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ سازش نہیں؟ کیا آپ اسے ہمارا معاشرہ یا ہمارا نصیب کہیں گے؟ نہیں! ہمیں اس کے خلاف جنگ لڑنا ہے۔ اپنے حق کے لیے، اپنے وطن اور اپنی قوم کے مستقبل کے لیے۔

اس سال ایک طالب علم کے اسلامیات میں سے نمبر کاٹ لیے گئے۔ اس کے پرچے میں سے کاغذ نکال کر کسی دوسرے کے پرچے کے ساتھ جوڑ دیے گئے، جبکہ وُہ طالب علم حافظِ قرآن ہے۔ اور یہ کہ جو پرچہ میٹرک میں ہمیں جوابات لکھنے کے لیے دیا جاتا ہے، اس پر یہ واضح طور پر لکھا ہوتا ہے کہ "صرف اس صفحے پر رول نمبر لکھیے اور کہیں مت لکھیے" تاکہ وُہ آرام سے بے ایمانی کر سکیں۔ آپ اپنے تمام قارئین سے اس بات کی تصدیق کروا سکتے ہیں۔

ہم آپ کی توجہ اس طرف اس لیے دلاتے ہیں کہ آپ کے پاس قلم کا ہتھیار ہے، جس کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ آپ ان مسائل کے حل کے لیے مناسب کارروائی کریں۔ شکریہ!

فائزہ، آرمی ہاؤسنگ سکیم، بیدیاں روڈ، لاہور کینٹ

O

محترم اشتیاق احمد صاحب

السلامُ علیکم! مَیں بچّہ تو نہیں، مگر آپ کے ناول شوق سے پڑھتا ہوں۔ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے وقت بہت کم ملتا ہے، مگر جب بھی وقت ملتا ہے، آپ کے ناول پڑھ لیتا ہوں۔ میں نے آپ کے چند ناولوں میں ہومیوپیتھی

علاج کے بارے میں پڑھا۔ ذہن میں ایک اُلجھن ہے۔ مجھے ایک ڈاکٹر سے پتا چلا تھا کہ ہومیو پیتھک ادویات میں نشہ، پیپسین اور خنزیر کے چند اجزا استعمال ہوتے ہیں۔ آپ میری اس الجھن کو دُور فرمائیں۔

آپ کے خاص نمبر "یوڈا پر حملہ" میں چاند کو تباہ کرنے کی سازش کو بے نقاب کرنے کے بعد ہمارے محبوب کرداروں نے اسے ناکام بنا دیا۔ میں نے ایک اخبار میں ایک فیچر پڑھا تھا۔ جس میں روس کی ایک ایجنسی نے دعویٰ کیا تھا کہ انسان چاند پر نہیں پہنچا، بلکہ یہ صرف ایک امریکی چال تھی۔ اس نے زمین کے ہی ایک حصّے کو چاند ظاہر کیا اور دُنیا کو ٹیلی ویژن پر دکھا کر دھوکا دیا۔ اس دھوکے کا مقصد یہ بیان کیا کہ امریکی عوام سے ٹیکس کی وصولی، غیر ملکی امداد اور اپنی چودھراہٹ قائم کرنا وغیرہ۔ آپ میری اُلجھن دُور کر دیں، صحیح بات کیا ہے؟

محمد عالمگیر بھٹی ، فیصل آباد

ج : ہومیو پیتھک دواؤں میں یہ چیزیں شامل نہیں۔
- چاند کے بارے میں زیادہ امکان یہی ہے کہ امریکہ نے دھوکے میں رکھا ہے۔

O

مائی ڈیر انکل اش...

السلامُ علیکم ! میں ... سب سے بڑے مصنّف کو خط ... خط آپ کو ملے گا، آپ کے منہ سے ... گا، ارے! یہ تو وہی ہے، جس کا خط پہلے بھی ... ٹوکری کی نذر کر چکا ہوں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ میرا یہ خط ردّی کی ٹوکری کے حوالے نہ کریں۔ آپ کے ناولوں میں احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی معلومات ہوتی ہیں۔ آپ کے ناول پڑھ کر ہم سب دینی جذبے سے سرشار ہو رہے ہیں۔ ختمِ نبوت کے پلیٹ فارم پر مرزائیوں کے خلاف ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

خواجہ عاصم فیاض ، ۱۴۶/۲ ٹینری روڈ ، بہار کالونی، کراچی

O

ڈیر انکل اشتیاق احمد

السلامُ علیکم ! یہ میرا آپ کے نام پہلا خط ہے۔ آپ کو اب میں باقاعدگی سے خط لکھا کروں گی۔ آپ کے ناول میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ کاش ہمارے ملک میں بھی کوئی انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ہوتے۔

آپ کی قاری : حمیرا غفار

اشتیاق احمد
سے بھرپور ناول
اشتیاق پبلی کیشنز
9/12 نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں، لاہور
برانچ آفس
بازار لوہاراں — جھنگ صدر